DUE DATE

Late Fine Ordinary books 25 p. per day, Text Book Re. 1/- per day, Over night book Re. 1/- per day.

معصومه

ناول

اردو

سرورق اور ریمائش · عبدالرحمان چغتائی

نیا ادارہ ✡ لاہور

معصومہ

عصمت
چغتائی

بار اول (۱۹۶۲ء) ۱۱۰۰

طابع و ناشر : نذیر احمد چودھری

نیا ادارہ ، سویرا آرٹ پریس ، لاہور

پیش لفظ

چار مہینے کا مکان کا کرایہ ۔
نوکروں کی تنخواہ ۔ بنیے کا قرضہ ۔
بجلی کا بل ۔ دھوبی کی دھلائی ۔
بچوں کی فیس ۔ پانی سر سے گزر جاتا ہے ۔
میں ڈوبتے ڈوبتے ابھر کر دیکھتی ہوں ۔
میری سولہ برس کی چہتی جاگتی بیٹی ۔
نو عمر سہیلیوں کے ساتھ رسی کود رہی ہے ۔

عصمت چغتائی

پہلا باب

جی ہاں یہ چرچ گیٹ ہے ۔ جی یہاں چرچ تو آس پاس کوئی نہیں ، ہاں گیٹ بہت سے ہیں ۔ اگر آپ لوکل ٹرین سے اتر کر ناک کی سیدھ میں چلتے چلے جائیں تو ورن کرنے کی مشین کے پاس سے گزر کر برف کے پہاڑ کو پار کریں گے ۔ دائیں ہاتھ کو باہر نکلنے کی جنگریاں نظر آئیں گی ۔ یہ پھندے ان بے ٹکٹ سفر کرنے والوں کے لیے ہیں جو ایک دم بچوں اور عورتوں کے ریلے کے ساتھ سٹک لیتے ہیں ۔ ان جنگریوں میں سے ذرا قاعدے سے نکلیے گا ، ورنہ گھٹنے کی چپنی پر وہ مزے دار چوٹ لگے گی کہ کئی دن تک لنگڑانا پڑے گا ۔ یہاں آپ کو دونوں کونوں پر دو اکتائے ہوئے ٹکٹ چیکر کھڑے باتیں کرتے نظر آئیں گے ۔ آپ چاہیں تو کوئی پرانا ٹکٹ انہیں تھما دیں یا ورن کا ٹکٹ ہی پکڑا کر جھپ سے نکل آئیں ، یہ بالکل بے توجہ آپ کے آر پار ایک دوسرے سے باتیں کرتے رہیں گے ۔ ذرا دیکھ کے بھائی ! عین سیڑھیوں کے نیچے پان کی پیک گھلی ہوئی کیچڑ بہہ رہی ہے ۔ آپ چاہے کتنی کھوج لگائیں ، یہ پتہ نہیں چلا سکتے کہ اس کیچڑ کا نکاس کہاں سے ہوتا ہے ؟

آسماں سے ٹپکتی ہے یا زمین سے سونا پھوٹتا ہے ؟ کوئی اور چھور نہیں نظر آتا ۔ دائیں ہاتھ پر دیوار کی طرف منہ کیے آپ کو بجی ہوئی مرغی کی صورت کی ایک شری متی جی نظر آئیں گی ۔ جب تک سورج یا سڑک کے کھمبے کی روشنی رہتی ہے یہ بڑی احتیاط سے ٹٹول کر اپنے چھدرے کھچڑی بالوں میں سے جوئیں اور لیکھیں سوت کر پہلے تو بڑے غور سے انہیں پرکھتی ہیں ' اس وقت ان کے جھریوں دار چہرے پر فتح مندی کے آثار چھا جاتے ہیں ، جیسے غوطہ خور اپنی جان کی بازی لگا کر پانی کی تہہ سے موتی نکال کر لایا ہو ' پھر وہ اس ناہنجار جوں کو بائیں ہاتھ کے انگوٹھے کے ناخنوں پر لٹا کر دائیں ہاتھ کے ناخنوں سے قتل کر دیتی ہیں ۔ اگر آپ انہیں جوں مارتے دیکھیں تو یہی سمجھیں گے کہ وہ بڑی کاری گری سے کسی نازک سی انگوٹھی میں کوئی انمول نگینہ جڑ رہی ہیں ۔ جوں کو ٹھکانے لگا کر ان کی آنکھوں کی بھڑکتی ہوئی انتقام کی آگ دم بھر کو ٹھنڈی پڑ جاتی ہے ، جیسے انہوں نے ایک موٹی سی جوں نہیں کسی سود خور توند والے کا صفایا کر دیا ہو ۔ ناخنوں پر جب بہت سی لاشیں جمک جاتی ہیں تو وہ سامنے دیوار پر ناخون رگڑ کر چھڑا دیتی ہیں ، پھر نئے سرے سے نئے شکار کے پیچھے انگلیوں کے گھوڑے چھوڑ دیتی ہیں ۔ ذرا دیوی جی کے

جیتھڑ اور ساماں سے بچ کر نکلیے گا ، ورنہ آپ کو ایسے گھوریں گی جیسے کسی پردہ نشیں دوشیزہ کی خواب گاہ میں آپ بے محابہ دڑّا کر گھس آئے ہوں!

ذرا دونوں طرف آتی جاتی گاڑیوں سے بچ کر فٹ پاتھ پر آ جائیے نا ! نائی کی کھی میں گھٹنا نہ لگے برادر ، ورنہ سر منڈانے والے کے سر پر واقعی اولے برس جائیں گے ۔ یہ سڑے ہوئے کیلے جو بیچ رہی ہے نا ! اس کے پاس پان بیڑی کا خوبچہ ہے ، ذرا احتیاط سے پھلانگیے — شاباش !

بس کار ہوٹل سے نکلتے ہوئے نامی ڈاڈلی ڈوسے کے بھبکے سے ناک سمیٹتے ایک اور پر اسرار کیچڑ لانگ کر بھیل پوری والے کی بالٹی پھلانگیے — بالکل ٹھیک! اب ذرا دیوار پر بیٹھے ہوئے نیلم فلم سٹار کے لیے پالک بچوں کی لاتوں کے وار خالی دیتے ، بجری کے ڈھیر سے کاوا کاٹ کر سیدھے آر ۔ اے ۔ ملک کی ڈبہ نما دکاں سے ٹکرا جائیے ۔ ٹھیک ! خیر کوئی بات نہیں — یہ اے ۔ روڈ ہے ۔ یہاں دو چار گومڑے تو آئے دن پڑتے ہی رہتے ہیں ۔ بس جی کڑا کر کے چلے آئیے ۔ کیلوں کے چھلکوں پر رپٹتے — کتوں کی ڈوریوں میں الجھتے — بس !

یہ جیسے ہندو کالج کے بالکل سامنے جس بلڈنگ کے احاطے پر سب سے زیادہ بچے لدے ہوئے نظر آئیں وہی انڈس کورٹ

ہے ۔ بیچ کے پھاٹک کے ایک نارو دیوار پر آپ کو ادھ
کچری لڑکیاں بیٹھی نظر آئیں گی اور دوسری طرف اونگے
ونگے بڑھتے ہوئے لڑکے ۔ ان لڑکیوں میں آپ کو مارلن
مرو ، برژت باردو اور سینڈرا ڈی کی جھلکیاں نظر آئیں گی
ور لڑکے ایلوس پرسلے، جمی ڈین اور رکی نیلسن کی پرچھائیاں
علوم ہوں گے ۔ یہ دیوار انڈس کورٹ میں رہنے والوں
کے لیے نہایت اہمیت رکھتی ہے : یہیں بیٹھ کر عشق کیے
جاتے ہیں ، منگنیاں طے ہوتی ہیں ، شادیاں ہوتی ہیں اور
س دیوار پر جڑنے کے لیے نگینے پیدا ہوتے ہیں ۔ اس
واگوں کے سلسلے سے بے بیار یہ دیوار پان کی پیکوں اور
وٹ مانگنے والوں کے پروپیگنڈے کا بے زبان شکار بنی
ہتی ہے ۔

انڈس کورٹ کے گراؤنڈ فلور پر گرو گرنتھ جی کا استھان
ہے ۔ ڈھولی سی شکل کا گدگدا سا بھاری میلی سی سیاں
ور تہمد پہنے سیڑھیوں پر کھڑا جمائیاں لیا کرتا ہے ۔ اس
، گدی پر لیمو کے برابر لٹکا ہؤا بالوں کا جوڑا ہمیشہ تیل
ں بھیگا رہتا ہے ۔ ویسے دن بھر بیچے راک اینڈ رول
ے فلمی ریکارڈ بجا کرتے ہیں ، لیکن شام کو جوت لوبان
جلا کر بھجن گائے جاتے ہیں ۔ مگر ان بھجنوں میں دل
ہیں لگتا ، اس لیے وہ عموماً فلمی دھنوں پر بھجن کی ٹیوں

بنا لیتا ہے اور رات گئے تک ڈھول پیٹا کرتا ہے ۔

اور جب گرو گرنتھ کے استھان سے '' لال لال گال ''
اور '' ریشمی شلوار '' سنائی دیتا ہے تو انسان خواہ مخواہ
خدا کی ذاتِ بابرکات کا قائل ہو جاتا ہے ۔ اس کی شان نرالی
ہے ۔ وہ چاہے تو پتھر پر پھول کھلا دے اور مندروں
مسجدوں میں راک اینڈ رول کروا دے!

یہاں پہلے مالے پر میرا گھر ہے ۔

اگر بالکنی میں قبلہ کی طرف منہ کر کے کھڑے
ہوں اور بیک بیت باندھ کر چالیس ڈگری کا زاویہ سا
کر دیکھیں تو آپ کو بیلو مرکا فلیٹ صاف نظر آئے گا ۔
جی وہی سا ، جو سب سے زیادہ بھڑکدار فلیٹ ہے ، جس
کے کمرے گہرے فیروزی اور گلابی رنگے ہوئے ہیں ،
جہاں نیون لائٹ کی روشنی میں ریشمی پردے جھلملا رہے
ہیں ۔ جی وہی بلڈنگ ، جس کے سامنے تکڑی تکڑی
موٹریں ڈٹی ہوئی ہیں ۔ یہ موٹریں یہاں سرِشام ہی آ جاتی
ہیں اور رت جگا سا کر صبح چلی جاتی ہیں ۔ ان کے
ڈرائیور قریب کی عمارتوں کی آیا لوگ کے ساتھ اور مالک سامنے
کے جگمگاتے ہوئے فلیٹ میں داد عیش دیا کرتے ہیں ۔
پاس ہی اسمگل کی ہوئی شراب کا اڈا ہے ۔

وہ جو رس گلے جیسے بھرے بھرے جسم والی لچکدار

حسینہ ہے ، وہی اس سیٹ کی آن داتا ہے ۔ اس فلیٹ تک لانے کے لیے ہی تو میں نے آپ کو اتنی رقمیں دیں اور اتنی تفصیلیں بتائیں کہ کہیں آپ اُس طرف نہ بھٹک جائیں جدھر راک اینڈ رول کی دھن میں بھجن گائے جا رہے ہیں ۔ نیلوفر جب پیدا ہوئی تھی تو قرآن شریف میں دیکھ کر اُس کا نام معصومہ بانو رکھا گیا تھا ۔ تین بیٹوں پر بیٹی جو پیدا ہوئی تو جی بھر کے لاڈ پیار ہوئے ۔ خالہ جانی اور چھوٹے ماموں میں جھگڑا ہو گیا تھا ۔ دونوں ہی اپنے اپنے بیٹے کے لیے اُسے مانگنے پر اڑے ہوئے تھے ۔ نیلوفر کی پیٹھ پر رشیدہ اور حلیمہ پیدا ہوئیں اور جب پیٹ کی کھرچن سب سے چھوٹا بچہ سال بھر کا تھا تو قیامت ٹوٹ پڑی ۔

مملکتِ خدا داد میں قاسم رضوی کی کمانڈ میں دلی کے قلعے پر جھنڈے گاڑنے کے منصوبے باندھے جا رہے تھے ۔ معصومہ عرف نیلوفر کے والد صاحب اس فوج کے رکنِ خاص تھے اور خطرے کی گھنٹی بجتے ہی اپنے بڑے بیٹوں کے ساتھ روپیہ پیسہ ، قیمتی زیورات اور مکانوں کے کاغذات لے کر اڑ گئے ۔

صرف گود کا بچہ سلیم اور تینوں لڑکیاں بیگم کے ساتھ رہ گئے ۔ ارادہ تھا کہ وہاں پر جم جائیں گے تو سب کو

بلا لیں گے ۔

مگر نہ جانے کیا ہو گیا انہیں وہاں جا کر کہ لوٹ کر خبر ہی نہ لی ۔ بڑے لڑکوں نے شادیاں کر لیں، بڑے بڑے عہدوں پر جم گئے، مکانات اور زمینیں بھی الاٹ کرا لیں، تب کہیں جا کر ماں اور بہنیں یاد آئیں ۔

اور تو اور بڑے میاں نے بھی ایک انیس برس کی لونڈیا سے بیاہ رچا لیا ۔ بیگم صاحبہ نہ بیٹوں کی شادیوں کی خبر پر ہنسیں نہ سوت آنے پر روئیں ۔ جو کچھ میاں چھوڑ گئے تھے وہ کچھ دن کام آیا ۔ پھر بچے کھچے زیور سے کام چلایا ۔ کچھ دن ہاتھوں کی چوڑیاں چبائیں ۔ پھر جگنو، چمپا کلی اور نوگھریاں نگلیں ۔ پھر بازو بند اور کانوں کے زیور بھی پیٹ کی کھتّی میں اتر گئے ۔ کون تفصیل میں جائے؟ کچھ ہؤا ہی ہوگا کہ وہ بستر بوریا سمیٹ کر بمبئی آ گئیں ۔

لوگوں کا خیال ہے کہ بمبئی اس لیے آئیں کہ یہاں ہر مال کی اچھی قیمت ملتی ہے ۔ بمبئی شہر دل والے متوالوں کی بستی ہے ۔ یہاں ہر شئے کے قدرداں جی کھول کر دام دیتے ہیں ۔ چاہے وہ پرانی موٹریں یا اعلا حضرت کی داشتاؤں کے زیورات ہوں، یا کماؤ بیٹے اور لچکدار بیٹیاں ہوں، سستاً دوسرے شہروں سے بمبئی میں مہنگے بکتے ہیں ۔

پہلے تو آ کر وہ ایک جان پہچان کے ہاں رہیں۔ ان کی بیوی نے جب دانت نکوسے تو انھوں نے از راہِ مہربانی دادر میں ایک کمرہ دلوا دیا۔ بےچارے خود ہی کرایہ بھی دے دیا کرتے اور کچھ اُدھار بھی۔ کام چلتا رہا۔ ان عنایتوں کے بدلے میں کبھی کچھ نہ مانگا۔ احسان بس سرِ شام سے آ کر بیٹھ جاتے۔ بچوں کے ساتھ ہنس بول کر بارہ ایک بجے چلے جاتے۔ بیگم نے اصلی گھی کھایا تھا، پھر بھی اب بالوں میں کہیں کہیں چاندی جھلکنے لگی تھی۔ پہلے تو انھوں نے نکاح پر ضد کی، مگر جب آٹھ دن کے لیے مہربان دوست کسی ضروری کام کی وجہ سے نہ آ سکے تو نویں دن ان کی صورت دیکھ کر بیگم کی نرگسی آنکھوں میں موتی جھلکنے لگے۔

دو سال اسی طرح گزر گئے۔ سلیم میاں کے اسکول کا خرچ اور لڑکیوں کی ضروریاتِ زندگی تنگی ترسی سے پوری ہوتی رہیں۔ تانبے کے کچھ برتن حیدرآباد پڑے تھے، بیگم کو انھیں بیچنے کی غرض سے جانا پڑا۔ ہفتہ بھر لگ گیا۔

واپس لوٹیں تو بچے حوھو گئے ہوئے تھے۔ واپس لوٹے تو نہ جانے کیوں بیگم کو ایسا لگا معصومہ بہت جوان ہو گئی ہے۔ اس کی شادی کی فکر برچھی بن کر کلیجے میں اتر گئی۔ جا کر معصومہ ایک پھول دار ہاؤس کوٹ پہنے تولیہ

بے بال پوچھتی نکلی تو انہیں بڑا تعجب ہؤا - یہ نیا قیمتی تولیا ، یہ پھول دار ہاؤس کوٹ ـ یہ تو شاید پہلے نہیں تھا !

اور پھر طوفان پھٹ پڑا - ان کا بس چلتا تو معصومہ کا قیمہ کر کے کتوں کو کھلا دیتیں ، مگر اس سے قسمیں کھا کر یقیں دلانا چاہا کہ احسان صاحب نے سیریں کرائیں ، پاؤڈر ، لپ سٹک دلوائی ، ڈریسنگ گاؤن لے کر دیا ، اس کے علاوہ کچھ بات نہیں تھی - بیگم کے آنسو شاید کبھی کے جل چکے تھے - وہ رات بھر کروٹیں بدلتی رہیں ، آہیں بھرتی رہیں -

دوسرے دن جب احسان صاحب آئے تو وہ ان کی جان کو جھاڑ کا کانٹا بن کر چمٹ گئیں -

" بے کار پریشان ہو رہی ہو - میری بیٹیاں ہیں - اگر کچھ دلا بھی دیا تو کیا غضب ہوگیا ؟ کیا آسیہ ، فریدہ کو نہیں دلا دیتا ؟ "

" مگر معصومہ ہی آپ کی لاڈلی بیٹی ہے ؟ ربیدہ اور حلیمہ سوتیلی ہیں ؟ سلیم تو خیرات کا ہے ! اسی کتیا کو ساری چیزیں دلا دیں -"

" بھئی تم تو جان کو آ جاتی ہو ــ اب تم سے بات کی جائے تو کیسے ؟ دراصل وہ احمد بھائی میرے دوست ہیں نا

— انھوں نے — آن کا جنرل اسٹور ہے — مانے ھی نہیں — سلیم میاں کو ھاکی اسٹک اور مکینو کا سیٹ پسند آیا ۔"

" کون احمد بھائی ؟ "

" جنرل مرچنٹ — باندرہ میں رہتے ھیں — لکھ پتی ھیں — ایک اسٹور مارکیٹ میں ھے ایک کلابہ میں ۔ باندرہ میں فرنیچر کی دکان ھے ۔ بڑے آدمی ھیں ۔ "

بیگم سناٹے میں رہ گئیں ۔

" اے ھے — مجھ سے کہا بھی نہیں — ھمت نہیں پڑتی تھی آپ سے کہنے کی — لڑکیوں کے والی آپ ھی ھیں — ان کا انتظام ھو جانے دو — مگر میرے پاس لینے دینے کو کچھ نہیں ۔ "

" ھاں ھاں — اس کی فکر نہ کرو ۔ " وہ کچھ خجل سے ھو گئے ۔ " فلیٹ ابھی خریدا ھے انھوں نے دادر میں — اوپر شپ پر — "

بیگم کے دل سے دعاؤں کے جھگھٹ نکل پڑے ۔ جیسے سو گئے ۔ وہ احسان صاحب کے پاس بیٹھی گلوریاں بنا بنا کر اپنے ھاتھ سے منہ میں دیتی رھیں ۔

" انہیں لائیے نا ایک دن ۔"

" تمہارے پیچھے تو کئی دفعہ آئے ۔ بھئی میں نے سوچا یہ موقعہ ھاتھ سے نہ جائے تو اچھا ھے ۔ "

" خیر آپ گھر کے مالک ہیں ۔ مگر کل انہیں کھانے پر بلائیے ۔ "

احمد بھائی سورت والا دوسرے دن آئے ۔ کوئی پینتالیس برس کے ۔ ملگجا پاجامہ ، کتھئی اچکن ، رومی ٹوپی پہنے ۔ انہیں دیکھ کر بیگم ۔ ھک سے رہ گئیں ۔ سوچا :

" جانے مہندی کے اللہ کا بندہ خضاب لگائے تو اتنا بھونڈا نہ لگے ۔" احمد بھائی ایک نیکلس لائے تھے ، جو انہوں نے معصومہ کو دے دیا ۔

" اوں — ہم نہیں لیتے ۔" معصومہ ٹھنکنے لگی ۔

" کیوں جی ؟ " احمد بھائی پان بھرے دانت نکوس کر بولے ۔

" کیوں لیں ؟ ہمیں نہیں اچھا لگتا ۔ "

" نہیں اچھا لگتا تو دوسرا لائے گا بابا ۔ "

" ہم دوسرا بھی نہیں لیں گے ۔ " معصومہ کھلکھلا کر ہنسی اور کمرے سے باہر بھاگ گئی ۔ احمد بھائی اس ادا پر لوٹ پوٹ ہو گئے ۔

" آج چھوکری کو جو ھو لے جاوے ؟ جرا تم بولو نا ۔" انہوں نے ٹھنک کر احسان صاحب کے کان میں کہا ۔

" اماں ذرا نگاہیں داب کے — ہاں ! ورنہ سارا معاملہ چوپٹ ہو جائے گا ۔"

" سالا پیسہ جانتی سانگتا تو کوئی واللہ نہیں — ہم سے گا بابا ۔" احمد بھائی بلبلائے ۔

" ارے یار پیسہ کی بات نہیں ۔ اونچے گھرانے کی لونڈیا ہے ۔ سلونا برس لگا ہے ۔ کسی نے آج تک اس کا آنچل بھی نہیں دیکھا ۔ اتنی تاولی نہیں چلے گی ۔ جلدی کام شیطان کا ۔" احسان نے سمجھایا ۔

مگر جب بیگم کو احسان میاں کی دلالی کا پتہ چلا تو ان کی سوکھی آنکھوں میں شعلے بھڑک اٹھے ۔

" صورت تو دیکھو جھڑوس کی ۔ میری نازک بچی کو بس یہ کیڑوں بھرا کباب ہی رہ گیا ہے ؟ کل کی لونڈیا سے شادی کر کے داڑھی کو کالک لگوائے گا ۔"

مگر بڑی میٹھی آواز میں احسان میاں نے سمجھایا کہ احمد بھائی ایسے کمینے نہیں جو نکاح کرنے کی گستاخی کریں ۔ نکاح تو وہ کر بھی نہیں سکتے ۔ ان کے سسر بارسوخ آدمی ہیں ، چندیا پر ایک بال نہیں چھوڑیں گے ۔"

پھر تو بیگم شتابہ بن گئیں ۔ ہر طرف چنگاریاں برسنے لگیں ۔ انہوں نے اتنا تکلف کیا کہ احسان میاں کو نکالتے وقت جوتے نہیں لگوائے ۔

احمد بھائی کی آنکھوں میں آنسو تھے !

" تم ہم کو الو کا پٹھا سمجھتا ہے سالہ — پہلے بولا

چھوکری ملتا ، پھر بولا نہیں ملتا — یہ کیا لفڑا ہے ؟ "

" دھیرج کا کام ہے سیٹھ ۔ پکا پھل کتنے دن ڈال پر اٹکا رہے گا ؟ تم میرے پر بھروسہ رکھو ۔ اونچا مال فٹ ہاتھ پر نہیں ملتا — صبر تو کرو کچھ دن ۔ "

" اچھا بابا — صبر کرے گا — پن کتنا روز ؟ " احمد بھائی عاشق صادق کی طرح آہ بھر کر بولے ۔

" ریٹا کے بال بچہ ہونے والا ہے سیٹھ — وہ سالی دنگا مچائے گی ۔ پہلے اس کا معاملہ ذرا ٹھنڈا پڑ جانے دو ۔ "

" تم کیا بات کرتا ؟ سالی ریٹا کا ہم اکٹھا کھرچ دیتا ہے اور پھر بھی دے گا ۔ تمہارے کو اس کا کیا وری کرنے لگا — کوچھ لفرا نہیں کرے گا — ہم پیر بھائی سے بات بھی کیا — وہ سانہ فلیٹ کا ایڈوانس بھی لے لیا ہم نے ۔ "

" شانتا کرور والا فلیٹ آپ بیچ رہے ہیں ؟ "

" نہیں بیچیں تو کیا کرے ؟ اپنا مادر ان لا بوت بوما بوم کرتا ۔ سالا چھوکری ایک دم بدمعاش ! "

" کون سی چھوکری ؟ " احمد بھائی کی بات سمجھ میں نہیں آئی ۔

اصل بات یہ تھی کہ ریٹا سے ان کا دل بھر چکا تھا ۔ " بڑی کھٹ کھٹ کرتی ہے ! " بہت دن سے سیٹھ کو

شکایت تھی کہ ان کی سگی بیوی اتنی سوتیا ڈاہ میں نہیں جلتی جتنی ریٹا سلگتی تھی۔ اس نے ان کے پیچھے جاسوس لگا رکھے تھے۔ پیر بھائی عرصہ سے اس کے مداحوں میں سے تھے۔ ان سے مراسم بڑھے اور احمد بھائی نے بڑی خوشی سے مکان کے جملہ سامان کے ساتھ ریٹا کو انہیں تھما دیا۔ اب اس کے بچہ ہونے والا تھا، جس کا الزام دونوں اپنے اوپر نہیں لینا چاہتے تھے۔ ریٹا کا ایک دوست آیا کرتا تھا جسے وہ اپنا بھائی بتاتی تھی، مگر بعد میں معلوم ہؤا وہ کسی زمانہ میں اس کا فیانسے تھا۔ کچھ لوگوں کا خیال تھا اسی نے ریٹا کا باس مارا تھا۔ چھ سال تک غائب رہا۔ اب واپس لوٹا تو پھر چالو ہو گیا۔ ہونے والا بچہ اصل میں اسی کا تھا۔ احمد بھائی ادھر کئی ماہ سے ملے ہی نہیں تھے اس سے۔ ایک دم اس سے جی اوب گیا۔ صورت دیکھ کر بخار سا چڑھنے لگا تھا۔ پیر بھائی بالکل دیتک زدہ معلوم ہوتے تھے مگر اپنی جائداد کے خود مالک تھے۔ بیوی مر چکی تھی۔ وہ تو شادی کرنے کو بھی تیار تھے مگر ریٹا ہی ٹال گئی۔ شادی ہو گی تو بے چارے پیر بھائی کو دوسری کوٹھی رکھنا پڑے گی۔

"پھر بھی سیٹھ ایسی لڑکی آسانی سے نہیں ملا کرتی ہے۔ میرے اوپر بھروسہ رکھو۔ میں نے کڑیاں کسنی شروع کر

دی ہیں ، بس کوئی دم میں تمھارا کام بن جائے گا ۔"

مگر احمد بھائی کبیدہ خاطر ہی رہے ۔

" سالہ روپ چند کو کتنا چھوکری سے انٹروڈیوس کراتا ہے لال جی آس کا اسسٹنٹ فلم والا ۔ یہ سالہ سوشل فلم والا ایک دم کنڈم ہوتا ہے ۔ ہم کو روپ چند بولا ۔ 'ہمارے ساتھ آجاؤ ۔' او لوگ کھنڈالا جاتا بولو کیشن دیکھنے کو — اکھا چھوکری بیکری لے کر ۔ ہم کو دو کیس بیئر اور وھسکی کو بولا — ہم بولا بھائی کا جو ملے گا — وھسکی اگلے ھفتے دے گا — کیا دما دم چھوکری ہے سالہ — "

احمد بھائی نے لڑکیاں اور بوتلیں الجھا دیں ۔

" روپ چند ایک چور ہے ۔ لال جی سر پیٹ رہا تھا کہ مجھے کہیں کا نہیں رکھا ۔ ہنڈی پہ ہنڈی لکھایا جا رہا ہے ، پیسہ نکالتا نہیں ۔ سات دن سے سیٹ کھڑا ہے اور سائیڈ ہیروئن غائب ! بولو تو کہتا ہے دوسری لے لو ۔ اب بھلا بتائیے بیچ پکچر سے دوسری لے لو ۔"

" دوسری تو لینا ہی پڑیگا — ہیں ہیں ہس — "

احمد بھائی ہنسے ۔ سائیڈ ہیروئن روپ چند سے بہت جلدی بیاہ کرنے والی تھی ۔ مگر احسان بھائی کو معلوم تھا روپ چند دوسری شادی نہیں کر سکتا ۔

احمد بھائی کو سمجھا بجھا کر احسان صاحب نے کڑیاں

کسے کا نیا پروگرام بنایا اور اس پر شدت سے عمل درآمد کرنے لگے۔

بیگم کمر کمر دلدل میں پھنسی ہاتھ پیر مارنے کی کوشش کر رہی تھیں، مگر ہلکی سی جنبش بھی انہیں اور نیچے کھینچ رہی تھی۔ اژدھے کا دہانہ چوڑا ہوتا جا رہا تھا۔ چھ سات مہینے کا کرایہ نہیں دیا تھا۔ باورچی روز غراتا۔ کمبخت نمک کی ڈلی میں سے بھی اپنا حصہ نکال لیتا تھا۔ گوشت لاتا جیسے چھیچھڑے، کوڑے پر سے ترکاری اٹھا لاتا اور ان سے پورے دام لیتا۔ مارکیٹ میں سڑی گلی ترکاری کے ڈھیر کا لوگ ٹھیکہ لے لیتے ہیں۔ یہ ترکاری ٹوکروں میں بھر کر ہوٹلوں وغیرہ میں پہنچا دی جاتی ہے یا غریب لوگ اونے پونے خرید لیتے ہیں۔ اس میں بعض وقت اچھے خاصے ترکاری کے ٹکڑے بھی مل جاتے ہیں۔ بیگم جانتی تھیں کہ باورچی اپنی تنخواہ کے پیسے تو نکال ہی لیتا ہے، پھر بھی کچھ کہنے کی ہمت نہیں تھی۔ وہ احسان صاحب ہی سے کچھ دبتا تھا۔ اب احسان صاحب بھی کچھ چپ چپ سے نظر آرہے تھے اس لیے وہ اور شیر ہوتا جا رہا تھا۔ لڑکیوں نے بھی دو چار بار شکایت کی کہ وہ وقت بے وقت انہیں تاکا کرتا ہے۔ دروازوں کے شیشوں پر سفید وارنش کی ہوئی تھی، وہ دو ایک جگہ سے کسی نے

کھرچ کر باقاعدہ ایک آنکھ کے جھانکنے کا انتظام کر لیا تھا ، اور عموماً جب لڑکیاں کپڑے بدلتی ہوتیں تو ان کھرچے ہوئے حصوں میں کالوچ بھر جایا کرتی تھی -

بچوں کی فیسیں نہیں گئی تھیں اور نام کٹنے کی دھمکیاں آ رہی تھیں - ڈاکٹر کا بل تو سال بھر کا چڑھ گیا تھا - احسان صاحب نے ان ہی کے لیے کھاتا کھلوا دیا تھا - آہستہ آہستہ بل بڑھتا رہا ، مگر ہی نہ ہوئی - دودھ والے نے تو کھڑے کھڑے پیسے رکھوا لیے - احسان صاحب بہت چیں بہ جبیں ہوئے :

" میرے پاس قارون کا خزانہ تو نہیں — میں بھی بال بچوں والا آدمی ہوں - " انھوں نے بڑے مجبور لہجہ میں کہا -

مگر بیگم کی کہاں نہ جھکی - ابھی دنوں کسی نے رائے دی تھی کہ لڑکیوں کو فلم میں ڈالو ، بڑی کامیاب رہیں گی - اس زمانہ میں شیواجی پارک اور دادر میں کئی پروڈیوسر رہتے تھے - باری باری وہ سب ہی سے ملیں - وحشت اسٹوڈیو کی خاک چھانی -ایک دوست کے ساتھ مجھ سے بھی ملنے آئیں - مگر ہماری فلم کی کاسٹنگ ہو چکی تھی - دوسرے اس وقت جس انداز سے انھوں نے اپنی عالی نسبی کی ڈینگیں ماریں آس سے جی جل اٹھا - ایسا معلوم ہوتا

تھا وہ معصومہ بانو کو فلمی دنیا میں لا کر فلم لائن پر ہی نہیں میری سات پشتوں پر احسان کر رہی ہیں ۔ دوسرے وہ سمجھتی تھیں کہ بس فوراً ہی کانٹریکٹ ہو جائے گا اور پیشگی مل جائے گی ۔ مگر ہفتہ بھر تک تو پروڈیوسر سے ملنے کی نوبت نہ آئی ۔ روز جا کر اسٹوڈیو میں بیٹھی سوکھا کرتیں ۔ ملاقات تو درکنار ، کوئی نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھتا ۔ پھر جھاڑ جھلے کپڑے پہنے ، شرمائی ، لجائی معصومہ کو کون غور سے دیکھتا !

بیگم کے تیہے نے اور کام بگاڑ دیا ۔ وہ ہر شخص پر اپنا بیگماتی رعب جمانا شروع کر دیتیں ۔ اناڑی نائیکہ بھلا کہاں معصومہ جیسی الھڑ لڑکی کو بنا پاتی ۔ انجام کار قرض بڑھتا گیا ۔ احسان بالکل روٹھ گئے ۔ مکان والے نے دانت نکوس نکوس کر تقاضے کرنے شروع کر دیے ۔ بچوں کے نام اسکول سے کٹ گئے ۔ پیدل اسٹوڈیو کی خاک لیتے لیتے جوتے گھس گئے ۔ کسی نے غور سے معصومہ کو دیکھا تک نہیں ۔ مگر جس چیز نے بیگم کی کمر توڑ دی وہ شوہر کے بیاہ کی خبر تھی ۔ بڑے میاں نے ایک ایس برس کی کومل سی لونڈیا سے نکاح پڑھوا لیا اور بیگم کو وقت ضرورت طلاق دینے کا پکا وعدہ کر لیا ۔

اس دن وہ پہلے تو کمرہ بند کر کے روتی رہیں ، پھر

اٹھ کر منہ ہاتھ دھویا ، چوٹی کی اور خانساماں کو احسان صاحب کے پاس بھیجا ۔ خانساماں کچھ اکڑموں دکھانے لگا تو انھوں نے وہ زور کی ڈانٹ بتائی کہ بھاگا بے چارہ ۔ آپسے کیا معلوم چند گھنٹوں میں بیگم کہاں سے کہاں پہنچ چکی ہیں !

احسان آئے تو بیگم ماتھے پر کنگھی کا چھجہ بنائے لئی تھیں ۔

" اللہ کیا دماغ ہو گئے ہیں حضت — بلاوے بھیجنے پڑتے ہیں ۔ میں تو اب ایسوسیئیشن کارڈ چھپوا رکھوں گی ۔ وقت بے وقت بھیجنا پڑ جائے تو ۔ "

احسان صاحب نے ٹھنڈی سانس بھری اور وہیں قدموں پر ڈھیر ہو گئے ۔

اس دن بیگم کی خاندانی جھجک نے دم توڑ دیا ۔ انھوں نے حامی بھر لی ۔ فلیٹ محی کے نام ہو گا ۔ ایک ہزار کا بندھا خرچ ہے ۔ لڑکی بغیر ان کی مرضی کے رات کو باہر نہیں رہے گی ۔ شاید اس طرح انھوں نے اپنے شوہر سے بدلہ لے لیا ۔ اُدھر وہ کسی کی انیس برس کی کونپل کو کھرل کر رہے تھے ادھر اُن کی اسی عمر کی بیٹی کے دام لگ رہے تھے ۔ بڑے میاں کو خبر ملے گی کہ صاحب زادی نے دھندا شروع کر لیا تو مزہ آ جائے گا ۔

"آج ؟ نہیں نہیں — مہلت چاہیے ۔" وہ احسان کی تجویز پر بھڑکیں۔

"تمھاری مہلت نے تو میرا تختہ کر دیا ۔" وہ جھلا کر بولے ۔ "حرام زادہ سائیسنگ میں تک دینے کو تیار نہیں ۔ کہتا ہے میرا کچھ انفلوئنس ہی نہیں ۔ ایسے آدمی کا کیا بھروسہ ؟"

جب ڈاکٹر رحم چھیڑنے کے لیے نشتر بڑھاتا ہے تو مریض گڑگڑا کر اس کا ہاتھ تھام لیتا ہے ۔ "ذرا ٹھہر جائیے — بس ذرا —"

مگر آپریشن تو ہونا ہی ہے ۔ ڈاکٹر کتنے دن ذرا ٹھہر سکتا ہے ؟

"لڑکی کی طبیعت ذرا کسلمند ہے ۔" انھوں نے احمد بھائی کو بہلایا ۔

"ارے ہٹاؤ سالی کو — ہم آج پونا جاتا ہے ۔"

"پھر کب لوٹیں گے ؟"

"ریس کا سیزن ادھر ہی رہے گا ۔ ہم سوچتا ہے ادھر شوٹنگ اسٹوڈیو ملتا ہے، سو لے لیوے ۔"

"ارے ہٹائیے بھی — شوٹنگ میں کیا دھرا ہے ؟ کوڑا پھنکوانے ہی میں آدھا پیسہ اڑ جائے گا ۔ اور وہ سالی مسز بچل آپ کو الو بنا رہی ہے ۔ گھٹا ہوا مال ہے قطامہ کے

پاس۔ گھسی پٹی گوروں کی جھوٹی اینگلو انڈین چھوکریاں۔ اور پھر سیٹھ ساجھے کا مال تمہیں ہضم نہ ہوگا۔''

احمد بھائی آبائی ڈرپوک تھے، کچھ سہم گئے۔

'' ایسی بھی کیا تاولی ہے سیٹھ؟ سیچر کو چھوکری چالو ہو جانے گی۔'' آنکھ ماری۔

'' مخول کرتا ہے۔'' احمد بھائی مسکرائے۔

'' تمہارے سر کی قسم — اچھا چلو مجھے سامان تو دلوا دو — سیٹ کل تک کھڑا ہو جانے گا۔''

یہ سیٹھ سمجھتے ہیں عقل کا ٹھیکہ بس انہیں کے پاس ہے۔ ہر شئے پر نگاہ رکھیں گے، ہر سامان خود جا کر اپنی آنکھوں کے سامنے خریدیں گے تاکہ پروڈیوسر ٹھگ نہ لے۔ مگر پروڈیوسر بھی ایک گھاگ ہوتے ہیں ' ویسے تو کہہ دیتے ہیں کہ جب تک فلم کی ٹرپس نہیں ہو جاتی وہ خود کوڑی نہیں لیں گے، بس پروڈکشن پر جو خرچہ ہوگا وہی فنانسر کو دینا پڑے گا۔

سیٹ کے لیے بیس ہزار کی لکڑی آنی تھی۔ پہلے تو احمد بھائی نے خود اپنے آپ کو ٹھگا۔ یعنی پندرہ ہزار کی لکڑی خریدی اور رسید بیس ہزار کی بنوائی۔ اب وہ پندرہ ہزار کی لکڑی جب احسان صاحب وصول کرنے گئے تو انہوں نے دس ہزار کی لکڑی لدوائی، باقی پانچ ہزار کی لکڑی چار ہزار

میں واپس کر دی ۔ ایک ہزار دکاندار کو بچے ۔ یہ لکڑی اسٹوڈیو لائی گئی ۔ اب معلوم کیا گیا کہ کس کس کو لکڑی چاہیے ۔ چپکے چپکے وہ دس ہزار کی لکڑی ادھر ادھر بارہ ہزار میں کھپا دی گئی ۔ سیٹ کے لیے تھوڑی سی رکھ لی ۔ احمد بھائی چیک کرنے آئے تو کسی کا بھی کام چالو ہؤا ، وہی دکھا دیا ۔ مستری نے بھی ہاں میں ہاں ملا دی ۔

یہی کاسٹیوم کے معاملے میں ہؤا کرتا ہے ۔ یار دوستوں سے کپڑوں کے کیش میمو جمع کر لیے اور دکھا دے سیٹھ کو ۔ یہی پھر انکم ٹیکس میں کام آئیں گے ۔ ویسے سیٹھ زیادہ چالاک ہو تو دکاندار سے معاملہ فٹ کرنا پڑتا ہے ۔ تین ہزار کے کپڑے کا بل وہ چار ہزار بنا دے گا — پانچ سو آپ کے اور پانچ سو آپ کے ۔ بعض سیٹھ بڑا چالاک ہوتا ہے ، وہ اس بات پر مصر ہوتا ہے کہ سارا کپڑا اس کے چاچا کی دکان سے خریدا جائے اور ماما کی دکان سے سلوایا جائے ، تاکہ بے ایمانی کی گنجائش ہی نہ رہے ۔ اب اگر سیٹھ پھنس چکا ہے اور آس کا روپیہ لگ گیا ہے تو بس ہر کپڑے کو کیمرہ میں سے مل کر رد کروا دیجیے :

” نہیں صاحب یہ نہیں چلے گا — چاکی ہو جائے گا ۔ “

کیمرہ میں کمبہ دے تو سیٹھ بے بس ہو جائے گا ۔ حالانکہ

چالیس فی صدی سود لے رہا ہے پھر بھی سیٹھ چاہتا ہے جتنا پیسہ دیا جائے وہی اس کا منافع ہے ۔ وہ اس فلم کی گردن میں ہر خرچ باندھنا چاہتا ہے ۔ اپنے نوکروں کی تنخواہیں ، بال بچوں کا خرچہ ، گھر میں آفس کے جانے کرایا ، سیر و تفریح کا سارا خرچ ، اپنی داشتاؤں کے لاڈ پیار کا خرچ ۔

ادھر پروڈیوسر بھی اسی چکر میں ہے کہ جو ہاتھ آ جائے پھر کون دیتا ہے ؟ ڈسٹری بیوٹر تو سوائے زبردست ہٹ کے کسی فلم میں منافع نہیں دکھاتا ۔ ظاہر ہے جب ایک قدم پر اتنے گدھ منڈلا رہے ہوں تو وہ کس قسم کی بنے گی ۔ ریلیز ہو کر پہلے ہفتے میں ٹھپ ہوجائے گی ، ساتھ ساتھ پروڈیوسر اور فنانسر بھی ٹھپ ۔

بڑی مشکل سے گھنٹوں سر کھپانے کے بعد احمد بھائی کو شیشے میں اتار لیا گیا ۔ طے ہؤا کہ ادھر وہ دو گانے ریکارڈ کروائیں اُدھر معصومہ آن کی ۔

یہ دونو گانے کرنٹ پر ریکارڈ ہو رہے تھے ۔ آشا بھونسلے کے ہاتھ پیر جوڑے تو وہ اس شرط پر تیار ہو گئی کہ بمبئی کی ٹیری ٹری سے ادائیگی ہو جائے گی ۔ اسٹوڈیو اور خام مال تیس فی صدی سود پر ملا ہی ہؤا تھا ۔ میوزیشن بھی کرنٹ دینے پر تیار ہو گئے ۔ لیجیے گانے ریکارڈ ہو گئے ۔

بیگم ساری رات بالکنی میں ٹہلتی رہیں ۔ حامی تو بھر لی ، مگر ہوگا کیسے؟ براہِ راست معصومہ سے دھڑ سے کہہ دیں؟ منہ نہیں پڑتا ۔ کئی بار چاہا آسے حکا کر سینے سے لگائیں اور سمجھائیں — مگر کیا سمجھائیں؟ ساری عمر تو یہی تلقین کی " ” بیٹی ! عورت کا زیور اس کی عزت ہے ۔ جان جائے پر عصمت پر بال نہ پڑے ۔“ آج اس سے کیوں کر کہیں کہ اب تیرے سوا زندگی کا اور کوئی سہارا نہیں ؟ تجھے قربانی دینا ہوگی ، چھوٹے بہن بھائیوں کی ناؤ پار لگانے کے لیے پتوار بننا ہوگا ۔

نہیں ، یہ اُن سے نہ ہوگا ۔ روتے روتے صبح ہو گئی ۔ دور کرشنا مل کا پھاٹک کھل رہا تھا اور رات پالی کے مزدور چوسی ہوئی گنڈیریوں کے پھوک کی طرح مَرے قدموں سے نکل رہے تھے ۔ تازہ دم بوڑھے ، جوان لانگ کسے اور عورتوں کے ہنستے ہوئے غول پھاٹک میں داخل ہو رہے تھے ۔ صبح کی سفید روشنی میں سیاہ سڑک پر پڑے ہوئے چاٹ کے کاغذ اور پتے کوڑھ کے داغوں کی طرح اُبھر رہے تھے ۔ ایک چھلا ہؤا کسیرو جیسا کتا کھمبے پر ٹانگ اُٹھا کر مُوت رہا تھا ۔

وہ پلٹ کر کمرے میں آ گئیں ۔ معصومہ پر بے اختیار نظریں جم گئیں : کیا بے سدھ میٹھی نیند میں غرق تھی ۔

اُلجھے ہوئے بالوں سے آدھا منہ ڈھکا تھا۔ گلابی ہونٹوں کے درمیان آگے کے دو دانت چمک رہے تھے۔ قمیص کا گھیر پہلو تلے دب کر گلا کھینچ رہا تھا۔ جھک کر اُنھوں نے اُس کے گریبان کے بٹن کھول دیے۔ ایک دو تین — سعید سعید، بھولا بھولا کنوارا سینہ نہ جانے کب پیار بھرے سپنوں کی دھڑکن سے لرز رہا تھا!

وہ بٹی سے لگ کر کھڑی دھاروں دھار روتی رہیں۔ ممٹی کا جلد باز سورج کھڑکی سے جھانکا۔ کھڑکی میں پڑا ہوا چیتھڑا ہلا اور جیسے دودھ پر کوڑیالہ سانپ لہرانے لگا۔ سہم کر اُنھوں نے بچی کو چادر سے ڈھک دیا۔

دوسرا باب

کیا دھوم دھام تھی۔ تین بیٹوں پر بیٹی ہوئی تھی — نازک سی۔ پیٹ میں تھی تب ہی اندازہ ہو گیا تھا۔ کیونکہ پیٹ بیٹوں کی دفعہ جھاتی تک چڑھ آتا تھا۔ معصومہ نازک چڑیا سی پیٹ میں معلوم بھی تو نہ ہوتی تھی۔ ذرا سا دودھ پی کر پیٹ بھر جاتا تھا۔ ہؤا بھی العاروں دودھ تھا۔ جو ماں کے دودھ زیادہ آترے تو کہتے ہیں بچہ بڑا خوش نصیب ہوتا ہے — روپے کی افراط رہتی ہے۔ نجومی نے پیشانی دیکھ کر کہا تھا: بڑی طالع ور بچی ہے۔ بڑی برکت لائے گی۔ دروازے پر ہاتھی جھومے گا۔ ہاتھی! احمد بھائی تو بالکل حجر تھے!

تیرویں برس سے پھول پھرے، تبھی سے پیغام برسنے لگے۔ بڑے بڑے نوابوں کے پیغام۔ ''اونھ، یہ نواب نکمے ہوتے ہیں۔ کسی آئی۔ سی۔ ایس سے کریں گے اس کا بیاہ۔'' مبارک تو ثابت ہوئی نگوڑی: اسی مہینے ترقی ہوئی۔ سال بھر کی تھی تو خطاب مل گیا۔ فوج کی کمان مل گی۔ حضور سرکار کی عنایات کی بارش ہونے لگی۔

نو دن پہلے نوبت رکھواؤں گی۔ بالکل پرانی شان سے

شادی ہو گی ۔ نو دن مانجھے بٹھائی جائے گی ۔ دلی کا آئش مشہور ہے ۔ مہندی گھر کی جھاڑی سے نکلے گی ۔ دادا ابا نے پوتی کے سہاگ کے لیے قلم لگائی تھی ۔ اب تو سارے برآمدے کے پیچھے پھیل گئی تھی ۔ عید بقر عید کو لڑکیاں بالیاں مہندی سونتنے لگتیں تو جی ڈرتا تھا کہ کہیں مُردیاں جڑ نہ ہلا دیں ۔ بڑوں کے ہاتھ کی لگائی مہندی ہے ، شادی تک رہ جائے تو جانو ۔

مگر پولیس ایکشن کے زمانے میں جب تین دن کی سدھ نہ رہی تو سارے ہی پیڑ سوکھ گئے ۔ کوٹھی تین مہینے ڈھنڈار پڑی رہی ۔ جڑوں میں دیمک لگ گئی ۔ جب پرانا سامان نکالنے گئیں تو جہاں مہندی لہرایا کرتی تھی ادھر غسل خانہ کی بو پڑ رہی تھی ۔ مہندی کا سوکھا جھاڑ کوڑے پر پڑا تھا ۔ ہاتھ لگاتے ہی پتیاں جھڑ جھڑ بکھر گئیں ۔ جی دھک سے ہو گیا ایسی ارمانوں کی مہندی جل جائے ، یہ کوئی اچھا شگن نہیں ۔ شادی میں برات کو سات کھانے دینے کا ارادہ تھا ۔ پلاؤ ، قورمہ ، تندوری ، مرغ شکم پور ، شاہی ٹکڑے ، سیخ کباب — اور — اور — انہیں کھانوں کے گرم گرم بھبکے آنے لگے ۔ شام کو سب نے مسکہ پاؤ کے ساتھ چائے پی لی تھی ۔ مال کی پکی وصولی سے پہلے احسان صاحب کوڑی کا اعتبار کرنے کو تیار نہ تھے ۔

معصومہ

وہ تو ایرانی ریستوراں کا مالک اب تک مہرباں تھا ۔ قرض مع سود ایک دن وصول ہو جائے گا ۔ جب کسی پیڑ میں پکے پکے پھل جھول رہے ہوں تو پاس پڑوس والے لوٹا بھر پانی سے اس کی جڑ سینچ دینے میں تکلف نہیں کرتے !

بکرے کی ماں کب تک خیر منا سکتی تھی ؟ آخری دن بھی آ ہی گیا ۔ اسکیم کے مطابق سلیم اور دونوں لڑکیوں کو انہوں نے سرِ شام ہی سے احسان صاحب کے ہاں بھیج دیا تھا ، جہاں احسان صاحب کی رائے کے مطابق ان کی بیٹیوں نے رات کو انہیں روک لیا ۔ معصومہ بھی جانے کو ضد کرنے لگی، مگر بیگم نے جل کر اسے ڈانٹ دیا ۔ سارا واقعہ ایک اتفاق معلوم ہو ، اس لیے معصومہ سے اچھے کپڑے پہننے کو بھی نہ کہا ۔ ویسے قاعدے سے لوگ قربانی کے بکرے کو بھی ہار پھول پہناتے ہیں ۔ شام کو جب احسان، احمد بھائی کے ساتھ داخل ہوئے تو بیگم کو پسینے چھوٹ گئے ، جیسے بیٹی کے بجائے خود ان کی عزت پر شہ پڑ رہی ہو ۔

تھوڑی دیر ادھر ادھر کی گپ شپ ہوتی رہی :

" انڈسٹری کا پائیہ گل ہو رہا ہے ۔ ایک پروڈیوسر کو ایکسٹرا آرٹسٹوں نے مارتے مارتے چھوڑا ۔ کاسٹیوم انچارج نے کپڑے چرا کر بیچ دیے ۔ اس کا سال بھر کا پیسہ مار

لیا تھا ۔ اب تو سوائے ہیرو ہیروئن کے باڈی کے چپلے چپاٹوں کے کسی کی دال فلم لائن میں نہیں گلتی ۔ اب تو ڈسٹری بیوشن بھی یہی لوگ سنبھالتے جا رہے ہیں ۔ پھر ایک دن ایسا آئے گا جب سینما حال بھی یہی خرید لیں گے ۔"

" پھر ہال میں فلم بھی یہی لوگ دیکھیں گے ۔ "
بیگم نے بات میں بات جوڑی ۔

" ہاں صاحب یہی ہوگا ۔"

مگر احمد بھائی آمدم برسرِ مطلب کے منتظر بیٹھے پہلو بدل رہے تھے ۔ انہیں اس ٹال مٹول سے جھلاہٹ چڑھ رہی تھی ۔ ہوب پیے ہوئے تھے ، اس پر بھی بار بار جیب سے ملاسک نکال کر ، ڈھکن موڑ کر ، چسکی لگائے جا رہے تھے ۔ معصومہ " ٹرو اسٹوری " کا ایک پرانا پرچہ لیے دھندلے بلب کی روشنی میں اوندھی پڑی تھی ۔ احمد بھائی کو جیسے جل ہو رہی تھی ۔ کبھی گدّی کھجاتے ، کبھی مونچھیں ٹٹولتے ، کبھی رانوں میں سلسلاہٹ ہونے لگتی ۔ اُن کی آنکھوں کی پتلیاں ٹھوکریں کھا رہی تھیں ۔ بیگم ایک ایک سیکنڈ ٹال رہی تھیں ، جیسے ڈاکٹر کا نشتر ان پھلوں میں کُند ہی تو ہو جائے گا ، یا کہیں آسمان سے ان کے سارے دکھوں کی دوا ٹپکنے لگے گی ۔ مگر کب تک؟ احمد بھائی زور زور سے احسان صاحب کی پسلیوں میں کہنیاں مار رہے تھے ۔ وہ

ٹھنڈی سانس بھر کر اٹھیں - ایک بار جی چاہا اُس کے منہ پر تھوک دیں "حرام زادے تیری بھی تو کنواری بیٹیاں ہیں ، جا اُن پر ایک نظر ڈال آ - وہ ، جن کے جہیز کے لیے تو نے الماریاں بھر رکھی ہیں - کیا یہ روپیہ انہیں الماریوں میں سے نکال کر میری معصومہ کو خریدنے آیا ہے ؟ جیسے وہ بھی آٹے کی بوری ہے ، یا گھی کا کنستر ہے -" مگر پانی سر سے گزر چکا تھا - ڈوبتے ڈوبتے اُبھر کر انہوں نے کہہ دیا :

"میں ابھی آئی — ذرا لکشمی نائی سے تھوڑے سے پاپڑ لے آؤں - " نا ورچی کو پہلے ہی چھٹی دے دی تھی - معصومہ کو شبہ بھی نہ ہوا اور وہ چلی گئیں -

" بھئی میری ریکارڈنگ کی ڈیٹ ہے ، کوئی گھنٹہ بھر میں آجاؤں گا -" انہوں نے معصومہ کو سنانے کے لیے اونچی آواز سے کہا ، " احمد بھائی تم بیٹھو - لڑکی اکیلی ہے، بیگم آجائیں تو تم بھی آجانا - ذرا ڈانس کا گانا سننا - کیا شمشاد نے گایا ہے - قسم سے نوشاد کی ٹیون کچھ بھی نہیں اس کے آگے - بڑی دھانسو ٹیون ہے - تھیم سونگ ہے - جب ہیرو موٹرکار سے زخمی ہو جاتا ہے تو یہی ٹیون سیڈ ہو جاتی ہے - پھر ڈریم سونگ میں اسی ٹیون کو والز میں بنوا رہا ہوں ، دوگانے کے لیے - پھر کمال دیکھیے یہی ٹیون جب

ہیروں کے بچہ کو پیار آجاتا ہے تو لوری کی طرح "

" ہاں ہاں جانتا ہے بابا۔ جاؤ نا! اب بے ناحق کو کھوٹی کرتا ہے۔" احمد بھائی بے قرار ہو کر بولے۔

" اچھا اچھا۔" احسان بھائی پر اوس پڑ گئی۔ وہ بھی چلے گئے۔

پھر ایسا معلوم ہؤا جیسے گھر میں کوئی نہیں۔ پورے محلے میں کوئی نہیں۔ بمبئی میں کوئی نہیں۔ دنیا میں کوئی نہیں! صرف دھندلے مکھیوں کے گو میں سنے ہوئے بلب کی روشنی میں جھکی ہوئی بے جبر معصومہ اور خارش زدہ احمد بھائی۔

دور کہیں کسی رکھی پلے کے کسی نے ٹھوکر ماری اور وہ ٹیاؤں ٹیاؤں کرتا گٹر میں گھس گیا۔ بیگم سر جھکائے تیر تیر بس اسٹینڈ کی طرف جا رہی تھیں۔ اُن کی آنکھوں سے آنسو اُبل کر راستہ انجان بنا رہے تھے۔ کسی نے اندھیرے میں اُن کے آنسو نہ دیکھے۔

بس سے اُتر کر بیگم دیر تک دادر کی چھوٹی چھوٹی دکانوں پر چٹ پٹ خریدتی رہیں۔ پھر خدا داد سرکل کے دو چار چکر لگائے۔ سوچا: برادوے سینما میں شو ہی دیکھ ڈالیں۔ مگر ایک دم ایسی وحشت ہوئی کہ پھر لوٹ پڑیں۔ شیواجی پارک میں لاتعداد جوڑے ساتھ ساتھ ٹہل رہے تھے۔ سامنے کیڈل کورٹ کے آگے کچھ عبدے ڈھول کی تھاپ

پر ہواڑا کا رہے تھے۔ وہ سدھی سمند کی ریت پر نکلی چلی گئیں۔ ٹھنڈی ریت پر بیٹھ کر نہ جانے کیوں وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔

سامنے سمندر سسکیاں بھر رہا تھا۔ پانی دھیرے دھیرے لوٹ رہا تھا۔ وہ روتی رہیں۔ آس پاس لوگ ہولے ہولے باتیں کرتے ٹہل رہے تھے۔ کبھی کوئی روپہلا قہقہہ فضا میں چھنک کر کسی بھاری آواز میں ڈوب جاتا۔ انھوں نے دونوں مٹھیوں میں ریت بھینچ کر چیخوں کو گھونٹ دیا۔

وہ کتنی اکیلی تھیں؟ دنیا میں کسی کو بھی احساس نہ تھا کہ وہ اکیلی ہیں۔ دنیا ان کو بھول چکی تھی۔ نواب صاحب نے کن ارمانوں سے ہاتھ پیر جوڑ کر اپا سے انھیں مانگا تھا۔ کبھی روکھی بات نہ کی۔ سچ مچ پھولوں میں تول کر رکھا۔ کیا گرما گرم پیار تھا! کتنی حسین جوانی تھی! میٹھی میٹھی سند آنکھوں میں کھٹک رہی ہے اور جگائے چلے جاتے ہیں۔ سر کی قسمیں دی جا رہی ہیں۔ آج جب معصومہ کی قسمت کا فیصلہ ہو رہا ہے وہ شاید کمسن دلہن کو پہلو میں دبائے سو رہے ہوں گے۔

ایک دم غصے کا طوفان ان کے سینے میں جاگ اٹھا۔ بٹوے میں نوٹ سرسرانے لگے۔ لعنت ہو نکاح پر! کیا دھرا ہے نکاح میں؟ ان کا نکاح بھی تو بڑے قاضی صاحب نے

پڑھایا تھا ، جو ایک بوڑھے رئیس کے لا تعداد نکاح پڑھا چکے تھے ۔ آج وہ نکاح ریت کے ذروں سے بھی زیادہ بے حقیقت ہو چکا تھا ۔

لوگ آہستہ آہستہ جا رہے تھے ۔ دو چار موالی دیر سے اُن کے ارد گرد منڈلا رہے تھے ۔ ایک دم سے کلیجہ دھک سے ہو گیا ۔ یہ کیا حماقت کی انھوں نے ! روپے ساتھ لیے پھر رہی ہیں ۔ ایک دو نہیں پورے پانچ ہزار ۔ انھوں نے ہتھیلیوں پر سے ریت جھاڑی ۔ وہ گھر کی طرف ہو لیں ۔ جب گھر پہنچیں تو ساری بلڈنگ میں اندھیرا ہو چکا تھا ۔ فٹ پاتھ پر سکی ٹانگوں کی قطاروں کو پھلانگتی وہ دبے قدم چلیں ۔

ہلکی سی ایک چیخ کی آواز سنائی دی اور اندھیرے سے معصومہ نکل کر اُن سے چمٹ گئی ۔

" امی! امی جانی ! میری امی جانی ! " اُس نے کانپتے ہوئے جسم کا سارا بوجھ اُن کے ہاتھوں میں سونپ دیا ۔ ستاروں کی ملگجی روشنی میں انھوں نے دیکھا : معصومہ کا گریبان تار تار تھا ۔ ساڑھی میں بھاگے ہو رہے تھے ۔ بال بکھرے ہوئے تھے ۔ اس کی سفید ریشمی گردن پر کھرونچوں کے نشان تھے ۔ ایک کان کی لو سے خون بہہ کر جم گیا تھا ، جیسے اسے بھوکے کتوں نے بھنبھوڑا ہو ۔ وہ

معصومہ

اُسے کلیجے سے لگا کر سوکھی سوکھی ہو گئیں۔ اپنے سارے منصوبے بھول گئیں۔ انہوں نے سوچا تھا وہ اُسے ڈانٹیں گی۔ گالیاں دیں گی۔ بدمعاش اور لفنگی کہیں گی، تاکہ وہ اپنی شرافت کا بھرم قائم رکھ سکیں، اپنے حرم پر پردہ ڈال سکیں۔ بات حادثہ بن جائے۔ مگر انہیں کچھ بھی نہ یاد رہا۔ جب اندر پہنچ کر انہیں معلوم ہوا کہ معصومہ صاف بچ نکلی، اُس نے احمد بھائی کا بھرسا نکال دیا، تو وہ سناٹے میں رہ گئیں۔

سارے فلیٹ میں ایسا معلوم ہوتا تھا گھوڑے دوڑ گئے ہیں۔ پانی کے سارے گھڑے چکنا چور تھے۔ گلاس لڑھکے پڑے تھے۔ چائے کا سیٹ چورا ہو چکا تھا۔ الگنی کے کپڑے کیچڑ میں پڑے تھے۔ کھڑکیوں کے شیشے کرچی کرچی۔ مارے غصے کے اُن کی آنکھوں میں خون اُتر آیا۔ ایک زور کا طمانچہ انہوں نے معصومہ کے گال پر مارا۔

"چڑیل! کتیا!"

"امی — وہ بدمعاش" معصومہ کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔

"چپ بدمعاش کی بچی۔ غضب خدا کا گھروا کر کے رکھ دیا۔ اب تیرے باوا بھریں گے۔" انہوں نے سَر دونوں ہاتھوں سے کلیجہ سے لگا لیا۔ "یا پروردگار مجھے موت

کیوں نہیں دیتا ؟ یہ چار چار میتیں میری چھاتی پہ دھری ہیں۔ اوپر سے کرتوت تو دیکھو۔ حرامزادی — چھنال —"
وہ معصومہ پر ٹوٹ پڑیں۔ وہ ماں جس نے گھڑی بھر پہلے اپنی بچی کی سلامتی پر اسے کلیجے سے لگایا تھا، نوٹوں کی سرسراہٹ سے سہم گئی۔ کل روپے واپس کرنے ہوں گے!

انہوں نے معصومہ کا کوئی عذر نہ سنا۔ وہی پھٹے پرانے اپنے چیتھڑے پہنے وہ چٹائی پر جھکی ہوئی سسکیاں بھر رہی تھی۔

صبح تڑکے احسان صاحب کو دیکھ کر وہ ایسے لرزیں جیسے قصائی کو دیکھ کر گائے۔ مگر وہ بڑے پیار سے مسکرا کر پاس بیٹھ گئے۔

" ابھی احمد بھائی کے پاس سے آ رہا ہوں۔ عجیب اُلّو کا پٹھا ہے۔ سالے کو میں نے بڑی ڈانٹ پلائی۔"

چپ چاپ بیگم نے نوٹوں کی گڈی نکال کر احسان صاحب کے آگے پھینک دی۔ " ارے یہ کیا ؟" وہ بڑی نرمی سے بولے اور روپے گننے لگے۔ " اب اس میں ہمارا کیا قصور ہے ؟ سالا بالکل ہی اناڑی ہے۔ اصل میں بہت پی گیا تھا۔ میں نے مسرے کو بہت ڈانٹا۔ وہ تو کہو اپنا فلیٹ پچھلی طرف ہے اور پاس والے فلیٹ والے ناسک گئے ہوئے ہیں، اگر کسی کو خبر ہو جاتی تو کم بخت جیل میں دھرا ہوتا۔"

وہ روپیوں کو سہلانے لگے - پھر روپے اُن کی طرف کھسکا دیے - " پریشاں ہونے کی کوئی بات نہیں - نا سمجھ ہے ابھی - راہِ راست پر آجائے گی تم ماں ہو، سمجھا بجھا سکتی ہو -"

گلا نہ بھر آیا ہوتا تو بیگم کہتیں کہ کیا سمجھاؤں ؟

" خدا قسم رو کیوں رہی ہو؟ مکان والے سے میں نے کہہ دیا ہے ، وہ دوپہر کو آئے گا کرایہ لینے - دو چار کپڑے لتے تو سوا دو - ایسا کرو ، مارکٹ چلی جاؤ - مول چند کے ہاں میرا اکاؤنٹ کھلا ہوا ہے -"

تو احمد بھائی ناراض نہیں - بلکہ انہیں تو چھوکری کی یہ ادا بے حد بھائی -

" کسم سے کیا دبنگائی چھوکری ہے -" انہوں نے اپنی سوجی ہوئی ناک پر برف کا ٹکڑا رگڑ کر کہا - ان کے بھی سارے کپڑے تار تار ہو چکے تھے - پھر بھی ان کی باچھیں کھلی جا رہی تھیں - " کیا سالی ایک دم ہرنی کا مافک ہے -"

" پر سیٹھ انسانیت کر بچی کو ہلکان کرنا کہاں کی انسانیت تھی ؟"

احمد بھائی ہیں ہیں کرنے لگے -

" آج جوہو لے جاوے ؟ بابا آس فلیٹ میں اپنے کو ایک دم نہیں چلے گا ۔"

" آج نہیں ۔"

" کائیکو ؟ "

" بس ایسے ھی ۔"

" کیا بات کرتا ہے تم؟ سالہ پانچ ھجار لیا — اور ."

" میرے کھاتے میں ڈال دو ۔"

" تمھارا کھاتا میں ؟ "

" ھاں — پرسوں تک سورج مل سے دلوا دوں گا ۔ کیا سمجھے ہو بس سارے بمبئی میں تم ھی ایک لکھ پتی ہو؟"

" ارے وے تم کیا بنڈل مارتا — ھم کب بولا ؟ "

" سیٹھ سچی بات سنو گے ؟ "

" بولو ۔"

" یہ لونڈیا جو ہے نا ۔"

" ھاں !"

" وہ تمھارے بس کی نہیں ۔"

" کائیکو ؟ "

" اماں گاؤدی ہو نرے ۔ چھٹانک بھر کی لونڈیا نے مار مار کے بھوسہ بھر دیا ۔"

" نئیں نئیں ایسا بات نہیں ۔ بابا ھم بیٹ پہ لا تھا ۔

ایک دم بیٹ ۔ ھمارے کو کچھ دکھائی نہیں پڑا — اور چھوکری سالا اتنا مست کہ کیا بولے تم ہے ۔ ھم ہرا ھاتھ لگایا کہ مارا ماری کرے اگی ۔"

" سوچ لو ۔"

" بس آج ہو ھو ۔"

" اماں کیا آلو کا پٹھا پن کیے جا رہے ھو ؟"

" کائیکو ؟"

" ایکساں طوطے کی طرح ہو ھو کی رٹ لگا رکھی ھے ۔ اچھا ایسا کرو ، وہ فلوری ھے نا ۔"

" ھم سے سالہ فلوری کا بات مت کرو ۔ کیا تھرڈ کلاس چھوکری ۔ تم کیا سمجھتا ھے ھمارے کو ؟"

" اچھا بابا بگڑتے کیوں ھو ۔"

" بگڑے کاھے کو نہیں ۔ پانچ ھزار دیا ۔ کوئی کمتی ھے ؟"

" اماں تو اب میں کیا کروں؟ لونڈیا کے ھاتھ پاؤں باندھ کر پکڑا دوں ؟"

" نہیں ایسا کب بولا ھم ۔ پن ہرا بولو نا چھوکری کو ۔ ایسا مارا ماری ایک دم نہیں چلے گا ۔

" پھر وھی مرغ کی ایک ٹانگ ۔"

" مرگا ؟ کون سا مرگا ؟"

" تمھارا باپ ! " احسان بھائی نے چڑ کر دو چار موٹی موٹی گالیاں ٹکائیں۔

" سنو ۔" احمد بھائی بڑے لاڈ سے بولے۔

" کیا ؟ "

" تمھارے کو ککو کا ڈانس مانگتا پچر میں ؟ "

" ککو کا ڈانس ہوگا تو پکچر شرطیہ ہٹ سمجھو ۔"

" تو پھر ایسا کرو تم لیو سالہ ڈانس - ایک نہیں دو لیو ۔"

" مطلب ؟ "

" ارے مطلب کیا ۔ کچھ بھی نہیں ۔ ہم کیا بولا ؟" سیٹھ ھنسے ۔

" ہوھو ؟"

سیٹھ نے دانت نکوسے ۔

" ہوں ۔ " احسان میاں لاپروائی سے سگریٹ سلگانے لگے ۔ مگر احمد بھائی پر تو معصومہ کا بھوت سوار تھا ۔

" بات کروں گا آج ۔"

" کیا سالہ تم اتنا دن سے بات کرتا ، بات کرتا ۔ " احمد بھائی چراغ پا ہو گئے ۔ " ایک دم چار سو بیس ہے تم ! "

" دیکھو سیٹھ ! "

" کیا ؟ "

" ھونے کھانے کی باتیں توکرو مت ۔" جب سے سیٹھ پر معصومہ کا عشق سوار ھؤا تھا احسان صاحب بڑے گستاخ ھوگئے تھے ۔ انہیں معلوم تھا سیٹھ بڑا چغد ھے ، ایک بات کی دھن ھو جائے تو پھر ادھر کی دنیا اُدھر ھو جائے کسی طرح نہیں ٹلے گا ۔

" ھاں خوب یاد آیا — وہ مگن لال ڈریس والا کا بل پڑا ھے ۔"

" کوئی واندا نہیں — کل دے گا چیک ۔ ھم ناں کب بولا ؟"

" وہ مول چند کو فون کر دیجیے گا ۔"

" مول چند ؟ ھم کل اس کو چیک دیا ۔ بابا ہم ھمارے کو کھلاس کر دے گا ۔ ھم "

" اوہ — کس چغد سے پالا پڑا ھے ۔ اماں یار پکچر کے لیے نہیں ۔ بیگم کہہ رھی تھیں کہ لڑکیوں کے پاس کپڑے نہیں ۔ میں نے باندرہ میں بنگلہ کا انتظام بھی کر لیا ھے ۔"

" اچھا — تو ایسا بولو نا ۔ سیٹھ ھنسائے ۔ ھم شام کو ساڑھی پہنچا دے گا اور مول چند کو بھی فون کر دے گا — بس خوش ھو ۔"

" اچھا بابا جو ہو بھی جائے گا۔"

بیگم نے نوٹوں کا بنڈل واپس اُٹھایا تو کچھ ہلکا لگا۔ گنا تو تین ہزار!

" اگلے ہفتے دے دوں گا۔ فلم کی ڈلیوری دینی ہے۔"
احسان صاحب مسکرائے، مگر بیگم سمجھ گئیں کہ وہ اپنا کمیشن لے گئے۔

" مگر "

" کیوں گھبراتی ہو؟" انہوں نے بالکل شوہرانہ انداز میں کہا، " شام کو ساڑھیوں والا آ رہا ہے۔"

" آپ کو ساڑھیوں کی پڑی ہے۔ یہاں ہزار خرچ جان کو لگے ہیں۔"

" تم دیکھتی جاؤ — اللہ کارساز ہے، سب کچھ ہو جائے گا۔ ہاں بھئی وہ بنگلے کا میں آج طے کر آؤں گا، کب تک شفٹ کر سکو گی؟"

" مجھے کون سے سامان سمیٹنے ہیں۔ نیا سیٹ وہیں جا کر خریدنا پڑے گا۔"

" کیوں خریدتی ہو؟ میرے پچھلے محل والے سیٹ کا پورا فرنیچر پڑا ہوا ہے۔ الٹرا ماڈرن ہے۔ سیٹھ سے کہہ دوں گا، وہ یہاں لا کر جما دے گا۔"

" مگر "

" کیا مگر ؟"

" معصومہ !"

" نا سمجھ ہے ، رسایت سے سمجھانا ہوگا ۔"

سمجھانا ہوگا ؟ وہ کیسے سمجھائیں گی ؟ لڑکی بالغ ہوئی تو مارے شرم کے انھوں نے بات بھی نہ کی ۔ باقری بوا سے کہا ۔ انھیں نے پالا تھا ، انھیں نے سمجھا دیا ۔

باقری بوا ! اُف ! اچھا ہؤا جو آنکھیں بند گئیں ۔ ہر وقت پیچھے پڑی رہتی تھیں ۔

" اے پاشا دوپٹہ سر کو ڈالو ، یوں ننگے سر پھرتے شریف بہو بیٹیاں ؟"

کیا مجال جو کوئی لڑکی اونچی آواز سے بول جائے :

" ہائے پاشا غیر مرداں کو کاناں میں آواز جاتا ۔ جھکا بولو بیٹے !"

وہ ہوتیں تو؟ نہیں ، باقری بوا نہیں — نوابی شان نہیں — کچھ نہیں — کوئی نہیں !

معصومہ بانو منہ پھلائے بیٹھی دائیں ہاتھ کی چھنگلی کے ناخن پر سے کیوٹکس کھرچ رہی تھی ۔ احمد بھائی دو چار دن کے لیے سورت گئے ہوئے تھے ۔ وہاں سے لوٹے تو آنکھ کی سوجن اتر چکی تھی ۔ ناک پر بھی کھرنڈ آ گیا تھا اور وہ

اس وقت امی کے پاس بیٹھے فرنیچر کی فہرست بنا رہے تھے ۔ اُسے دیکھ کر انہوں نے نہایت بے حیائی سے دانت نکوس دیے ۔ وہ بھاگی ہوئی دوسرے کمرے میں چلی آئی ۔ ٹرک آیا تو گھر کا کوڑا کرکٹ لادا گیا ۔ احمد بھائی کی موٹر میں سب بیٹھے۔ انہوں نے اُسے آگے اپنے پاس بٹھانا چاہا مگر وہ تنک کر دور جا کھڑی ہوئی ۔ بیگم ہنس پڑیں اور سلیم کو آگے بھیج کر اُسے پاس بٹھا لیا ۔

" کیا بدتمیزی ہے ؟ " انہوں نے پیار سے اس کی لٹ سنوارتے ہوئے کہا ۔

" اُنھہ ! " عاجز ہوکر اُس نے اُن کا ہاتھ جھٹک دیا ۔

" قسم خدا کی ایسا طمانچہ مارا ہوگا کہ دانت جھڑ جائیں گے ۔ سر پر ہی چڑھی جاتی ہے سوری ۔"

بنگلے میں سامان اُتر رہا تھا تو معصومہ ایک طرف بے تعلق سی کھڑی ہوگئی ۔

" بھول ہوئی بابا — معاف کر دو ۔" احمد بھائی پاس آ کر بولے ۔

" ہنہ !" معصومہ نے ناک سکیڑی ۔

" بولو تو اُٹھک بیٹھک کرے ۔ ناک پکڑ کر تین سلام کرے ۔ ہمارے سے غلتی ہو گیا ۔ لو کان پکڑتا ہے ہم ۔" انہوں نے دونوں کان پکڑ کر کہا ۔ معصومہ کو ہنسی

آ گئی ۔ نہ جانے آپ کی کھکو جیسی صورت پر یا اپنی بے کسی پر ۔ بیگم نے بھی سمجھایا :

" کتنا کچھ کر رہے ہیں اپنے لوگوں کے لیے ۔ ڈھائی سو ہے کرایہ اس بنگلے کا ! "

" تو وہیں چلیے نا ، وہاں ستر روپیہ تھا ۔"

" ہوں! اور وہ ستر کون دے گا ؟" انہوں نے سمجھایا اور معصومہ نے سمجھ لیا ۔ اُس کا غصہ آڑن چھو ہو گیا ۔ پھر وہی ہنسی مذاق اور میٹھے گوندے لگنے ۔ خوبصورت کپڑوں اور زیورات کا کس بچی کو شوق نہیں ہوتا ؟ اپنی سکت بھر اُس نے مدافعت کی ، پھر بھول گئی ۔ اتنی سمجھ نہ تھی کہ اپنی ہستی کا مول نہ جانتی ۔

اور پھر ایک دن احمد بھائی کے دام وصول ہو گئے ۔ اور معصومہ بانو بیلوفر بن گئی ۔ اور بیگم کی نوابی لوٹ آئی ۔ وہی کھانے پینے کی ریل پیل ۔ قدم قدم پر نوکر ۔ سلیم میاں کا نام فوراً بڑے شاندار اسکول میں لکھوا دیا گیا ۔ موٹر چھوڑنے اور لینے جاتی ۔ بیگم وہی صبح گیارہ بجے سو کر اُٹھنے لگیں ۔ جیسے برا خواب دیکھا تھا ، آنکھ کھلی تو کچھ بھی نہ بگڑا تھا ۔ صرف نواب نہ تھے ۔ تو نار برداریوں کو احسان صاحب کیا کم تھے؟ اب تو وہ بقول کسے کھیتی کاٹ رہے تھے ۔ اتنے سال جتنا گہرا کنواں کھودا تھا اتنا

ھی میٹھا پانی پی رہے تھے ۔ پہلے تو بیگم کا کچھ بار ان پر بھی پڑ جاتا تھا ، مگر اب تو دونوں وقت کا کھانا بندھا تھا ۔ ان کی بیوی اور بیٹی سے بھی میل جول شروع ھو گیا تھا ۔ انھیں بھی اب یقین ھو گیا تھا کہ احسان صاحب کے بیگم سے صرف ایسے تعلقات تھے جیسے ایک بدنصیب عورت کے شوہر کے عزیز دوست کے ھونا چاھییں ۔ انھوں نے سب کے فائدے کا خیال رکھا ۔ بیگم نے ھاتھ کھول کر لین دین شروع کیا ۔ ذرا سی کسی کی سالگرہ ھو جاتی اور وہ بنارسی جوڑے اور سونے کے زیور لے دوڑتیں ۔

ویسے اب وہ عمر آ گئی تھی کہ واقعی ان کے بھائی بہنوں جیسے تعلقات ھی رہ گئے تھے ۔ بیگم ان کی احسان مند تھیں ۔ ان کے سوا بیچاری کا تھا کون ؟ اگر وہ نہ ھوتے تو سجدھار سے داؤ کون ترا کر لاتا ؟ چھوٹوں کو مانگتے تو وہ نے دریغ دیتیں ۔ مگر احمد بھائی کچھ کبیدہ خاطر سے رہتے تھے ۔ نیلوفر کا رویہ ویسا ھی معشوقانہ تھا ۔ وہ انھیں بے طرح جھکاتی ۔ وہ آتے تو بیٹھی بچوں کے ساتھ تاش یا کیرم کھیلا کرتی ۔ وہ کمرے میں بلاتے تو ٹالے جاتی ۔ بڑی مشکل سے بیگم بھیجتیں تو بات بے بات لڑنے لگتی ۔ ھاتھ چھوڑ بیٹھتی ۔ بلی کی طرح پنجے مارتی ۔ روٹھ کر اماں کے ساتھ جا لیٹتی ۔ احمد بھائی منڈلاتے پھرتے ، خوشامدیں کرتے ،

رشوتیں دیتے تو وہ نہایت بے دلی سے بے کار ٹال دیتی۔ احمد بھائی ساری رات کبھی نہیں رہے۔ ان کے مسرکا حکم تھا: چاہے کہیں جاؤ، رات کو سوؤ گھر آ کر۔ بارہ بجتے ہی انہیں سنڈریلہ کی طرح بھاگنا پڑتا۔ کبھی اچھے موڈ میں ہوتی تو ساتھ بیٹھ کر شراب بھی پیتی، گالیاں بکتی اور پھر جوتم پیزار کرتی۔ ایک دم بھوت سوار ہو جاتا تو کتے کی طرح بھونکنے کا حکم دیتی اور بری طرح پیچھے پڑ جاتی۔ بیچارے کو بھونکنا پڑتا۔ پھر وہ خوب تالیاں بجاتی۔ ایسا جوتا پھینک کر حکم دیتی چاروں ہاتھوں پیروں کے بل چل کر بھونکو، پھر منہ سے جوتا اٹھا کر لاؤ۔ پھر بھونکو اور جوتا بھاؤ۔ موڈ آ جاتا تو احمد بھائی خوب بھونکتے، دانتوں سے جوتا اٹھا کر لاتے، اور وہ پھر پھینک دیتی۔ بیٹھے بیٹھے ایک دم سب کے سامنے کہتی۔

"گدھے کی بولی بولو۔"

"اس وقت نہیں، بعد میں، بعد میں۔"

"نہیں — ابھی بولو۔"

"کہہ دیا بابا اس وقت نہیں — پیچھو سب بولے گا۔ بھلا ادھر ایک پپی دیو۔"

"نہیں — ابھی، اسی وقت بولو۔ گدھے کی بولی بولو۔"

"کچھ دماغ خراب ہوا ہے؟ بدتمیز کہیں کی۔"

بیگم ڈانٹتیں ۔

" ہمارے بیچ میں کوئی مت بولو ۔ ہاں ۔" نیلوفر اڑ جاتی ۔ " مما آپ چپ رہیے ۔"

"معلوم ہوتا ہے تیری شامت آئی ہے ۔" بیگم غراتیں ، مگر احمد بھائی کہتے ۔

"عاشک ماسوک کا معول ہے ، تم کاٹے کو بیچ میں آتا؟" اور وہ گدھے کی بولی بولتے ۔ مگر اتنی دیر میں کہ نیلوفر کا موڈ خراب ہو جاتا اور وہ انہیں جوتے ٹھکواتی ۔ کبھی احمد احسان صاحب سے شکایت کرتے ۔ وہ اب تھک چکے تھے ۔ وہ عمر آ گئی تھی کہ وہ خود معشوق بنتے ، بیوی بچے ان کی سیوا کرتے ، رعب مانتے ۔ مگر ان کی تو دونوں طرف شامت تھی ۔ بیوی اُدھر گالیاں دیتیں ، بچے رتی برابر عزت نہ کرتے ، اوپر سے نیلوفر کے مظالم ! توبہ !!

احسان صاحب نے انہیں بہت سمجھایا کہ نیلوفر کی بات کا بھروسہ نہیں ، وہ ایک بد ذات لونڈیا ہے ، آپ بہت سر نہ چڑھاؤ ۔ مگر احمد بھائی چاروں طرف سے جوتے لات کھاتے کھاتے بدحواس ہو چکے تھے ۔ ادھر چند مہینوں سے نیلوفر نے انہیں بہت ستایا تھا ۔ ایک دفعہ ان کے پیٹ میں ایسی لات ماری کہ عورت کو ہرنیا کے اپریشن کے لیے پندرہ دن ہسپتال میں رہنا پڑا ۔ وہاں سے آئے تو نے طرح مذاق

اڑانے لگی ۔ ایسا بد حواس کیا کہ ان کے دل میں ڈر بیٹھ گیا ۔ پسینے چھوٹنے لگے ۔ سونے کا ورق چڑھی گولیوں سے بھی کچھ فائدہ نہ ہوا ، الٹا اختلاج ہونے لگتا ۔ اور ان کی ابتر حالت پر وہ قہقہے لگاتی ۔ گندے گندے تکلیف دہ مذاق کرتی ۔ ادھر حسن فلم میں احمد بھائی نے پیسہ ڈالا وہ ڈبہ ہو گیا ۔ حالات بگڑتے ہی چلے گئے ۔

احسان صاحب ابھی دانست میں چٹان پر براجمان تھے ۔ گھر میں بیوی بچے شان و شوکت سے تھے ۔ ادھر بیگم سے دلچسپی ہنسی مذاق تک محدود ہوگئی تھی ، کیونکہ حال ہی میں انہوں نے ایک ایکسٹرا لڑکی سمن کو ایک دم سائیڈ ہیروئن بنا ڈالا تھا ۔ تیکھے نقشے والی سانولی سلونی سمن کو وہ ڈانڈا سے اٹھا لائے تھے ۔ سات پشت سے اس کے باپ دادا مچھلیاں پکڑتے آئے تھے ۔ جھٹک مچھلیاں توڑتے توڑتے وہ ایک دم ایکسٹرا بنی اور سال بھر کے اندر پروڈیوسروں کے چمچوں کے سر پر چڑھ کر احسان بھائی تک آن پہنچی ۔ ان پر کچھ اس کی شوخی کا ایسا نشہ چڑھا کہ جھٹ رٹز ہوٹل میں کمرہ لے کر رکھ لیا ۔ ابھی اس کے سر کی جوئیں بھی ختم نہیں ہوئی تھیں کہ وہ سلیکس اور ٹی شرٹ پہنے ، دو منی چوٹیاں گوندھے گھومنے لگی ۔

پتی ورتا مسز احسان کے کان پر جوں تک نہ رینگی ۔

کیاؤ مرد کو سات خون معاف ہیں ۔ اور حالانکہ ملم ملاپ ہو رہے تھے مگر احسان صاحب ہٹ تھے ۔ جڑیں شریف تھیں ، سارا روپیہ ادھر آدھر سے سمیٹ کر انہیں کے ہاتھ میں دے دیتے۔ اس لیے وہ کافی مطمئن تھیں ۔ مرد ذات کہیں منہ کالا کرتا پھرے مگر گھر بار سے غافل نہ ہو تو پھر کیسی شکایت ؟ نادرہ میں رمیں لی تھی ، اُس کا پٹہ بھی بیوی کے نام تھا کہ کبھی کو برا وقت پڑے قرق آئے تو گھر کا سارا سامان بیوی کے نام ہو ،کوئی ہاتھ نہ لگا سکے۔ احسان دیوالیہ ہو کر پھر کسی اور کے نام سے نئی کمپنی چالو کر دیتے ۔ پہلی کمپنی اُن کے اپنے نام سے تھی ، دوسری میں انھوں نے اپنے سالے کا نام ڈال دیا ۔ آلو کا پٹھا سا تھا بیچارہ ۔ جب کمپنی کا دیوالہ نکلا تو اُس کی کچھ سمجھ میں نہ آیا ۔ احسان صاحب نے اسے کھوکھرا پار کی طرف سے پاکستان بھگوا دیا ۔ اب یہ تیسری کمپنی اُن کے رشتہ کے بھانجے بھتیجے کے نام سے تھی۔ کرتا دھرتا وہ خود تھے۔

دنیا بھی کتنی عجیب ہے ! جب ہفتہ بھر بعد ایک دن احسان صاحب مہابلیشور سے سمن کی آؤٹ ڈور شوٹنگ سے لوٹے تو گھر ڈھنڈھار پڑا تھا ۔ بیوی اُن کے نہایت معتبر منہ بولے بھائی اور پرائیویٹ سیکریٹری کے ساتھ بھاگ گئی تھیں ۔ دونوں لڑکیاں پڑوسیوں نے رحم کھا کر سنبھال لی

تھیں ۔ چھوٹا لڑکا آیا کے پاس چھوڑ گئی تھیں ۔ اس سے تو یہ کہہ کر گئی تھیں کہ سینما جا رہی ہیں ۔ سامان گھر میں تھا ہی کتنا ؟ ایک ٹرک میں آ گیا ۔ آیا سمندر پر بچے کو گھما کر لوٹی تو گھر کے سامنے بیٹھی دونوں بچیاں دھاروں دھار رو رہی تھیں ۔ اندر دو چار ٹوٹے پھوٹے برتن اور تھوڑا سا بے کار سامان پڑا تھا ۔ بیگم نے احسان صاحب کے کپڑے تک مصلحتاً ساتھ لے لیے ۔ اُن کے دوست مطہر کے تو آ نہیں سکتے تھے ، کیونکہ وہ تو سانڈ کا سانڈ تھا اور احسان صاحب منحنی سے آدمی تھے ، مگر وہ انہیں رکھ دینے کے لیے سب کچھ لے گئی ۔ اناج کا دانہ تک نہ چھوڑا ۔

تعجب کی بات تھی کہ ایک سیدھی سادی گھریلو قسم کی عورت اپنی عمر سے چھوٹے جوان کے ساتھ کیسے سب کچھ چھوڑ کر بھاگ گئی ؟ مگر مطہر اتنا کم عمر نہ تھا جتنا زمانے نے اسے بنا رکھا تھا ۔ اس کی کامیابی کا ایک گُر یہ بھی تھا کہ وہ ہر شخص کو بڑے بھائی اور صاحب کے لقب سے یاد کیا کرتا تھا ۔ سولہ برس کی عمر میں گھر سے بھاگ آیا ۔ بگڑے نواب کا بیٹا تھا ، ماں بہنوں کے زیور ہی سے بمبئی میں کئی سال گزارا ہو گیا ۔ اگر خود اس کی جان کو چھچھورے نہ لگ گئے ہوتے تو شاید اور کچھ دن عیش کر لیتا ۔ لیکن اس ذرا سی عمر میں یار لوگوں نے اسے وہ

چک پھیریاں دیں کہ دیوالہ نکل گیا ۔ کئی سال تو عشق عاشقی سے فرصت نہ ملی ۔ نہ جانے کیسی لتیں لگیں اور چھوٹیں ۔ جب ہوش آیا تو خود کو ایک بوڑھی ہیروئن کی بار برداریاں اٹھاتے پایا ۔

اور پھر مظہر نے زندگی سے سمجھوتا کر لیا ۔ جب اس بوڑھی ہیروئن نے اس سے بھی کمسن چھوکرے کو گھر بار کا مالک بنا لیا تو وہ نہ جانے کہاں سے لڑھکتا پڑھکتا ایک طرح دار پروڈیوسر کا چمچہ بن گیا ۔ وہ جو کبھی دوسرے چمچوں کے لیے پیلے کا کام دیتا تھا ۔ جب پتیلا چمچہ بن جائے تو پھر کچھ کہنے کی گنجائش نہیں رہ جاتی ۔ اسے چمچہ باری کے تمام گُر آتے تھے ۔ وہ مختلف پروڈکشنز میں رہا ۔ جس کے ساتھ کام کرتا بس اسی کا ہو رہتا ۔ آہستہ آہستہ اسی کے گھر میں سونے لگتا ، کیونکہ دو دو تین تین بجے رات تک پارٹیوں کا انتظام کرنے کے بعد بالکل نڈھال ہو جاتا ۔ وہ کون سا کام تھا جو وہ نہیں کر سکتا تھا ؟ وقت بے وقت اگر پروڈیوسر چڑیا کا دودھ یا بیل کا انڈا مانگتا تو وہ ٹیکسی لے کر بمبئی کا کونا کونا چھان مارتا اور بیل کے انڈے سے بھی زیادہ عجیب شئے لے کر لوٹتا ۔ جس کے گھر میں رہتا ، رشتہ دار بن کر رہتا ۔ اس کی بیوی سے فوراً ماں بہن یا بھائی کا رشتہ لگا لیتا ۔ اس کی ماں کو اماں کہتا ۔ اس

کی ساس سے بالکل داما دوں کی طرح ملتا ۔ اُس کی بہنوں کو کنوار پتے کا غم غلط کرنے میں مدد دیتا ۔ اس کے بچوں کو باپ کی مصروفیت کی وجہ سے شفقتِ پدری دیتا اور شوہر کی جدائی میں آنسو بہانے والی بیوی کے سرد ہاتھ گرماتا اور اُس کے آنسو اپنے دامن میں جذب کر لیتا ۔ ایک طرف وہ اپنے مالک کو داشتہ سپلائی کرتا ، دوسری طرف اُس کی بیوی کے سینے میں بھڑکتی ہوئی سوتیاہ ڈاہ کی جلن پر مرہم رکھتا ۔ اگر بیوی کو آپا کہتا تو داشتہ کو فوراً بھابی بنا لیتا ۔ اس لیے اُس سے سب خوش تھے ۔ دنیا کا کوئی کام ہو وہ فوراً کر دیتا ۔ چاہے حاجی کے ہوٹل سے نان کباب لانے ہوں یا بیوی میس سے وہسکی ' پون پل سے گانے والی کا انتظام کرنا ہو یا مچھلی کے شکار کی تیاری ' خام فلم چاہیے ہو یا اسٹاک شاٹس — مظہر نے دکان مہیا کر دیا ۔

جس پروڈیوسر کے ساتھ جُٹ جاتا اُسے خدا سمجھنے لگتا ۔ ساری انڈسٹری میں اُسی کے گیت گاتا پھرتا ۔ اُس کی ایسی پبلسٹی کرتا کہ پیسے خرچنے کی پھر کوئی ضرورت نہ ہوتی ۔ بس جہاں جاتا اُس کی ذہانت ، عقلمندی اور طراری کے افسانے سناتا :

” واہ صاحب واہ ! کمال کر دیا صاحب نے تو ۔ یعنی

کیا شوٹ لیا ہے کہ سالہ کیمرہ میں کی ریڑھ کی ھڈی ٹیڑھی ھوگئی۔ کیا پکچر بن رھی ہے۔ قسم سے پولیس کے آثارے نہیں آترے گی۔ کیا ھیں یہ آپ کے شانتا رام اور محبوب !''

اس کے عیبوں تک کی شیخی مارتا

''صاحب آج تین مہینے سے سٹ کھڑا ہے۔ اس دن میں مشکل سے ایک آدھ شوٹ ھو جاتا ہے۔ یعنی ایک سونگ پر چالیس ھزار فٹ فلم کوڑا ھوگیا۔ صاحب اصلی سنگ مرمر منگوا رہے ھیں۔ صرف دو شوٹ ھیں اس سیٹ کے۔ اور کمال یہ ہے کہ فرش دکھائی بھی نہیں دے گا۔ کلورشاٹ ھیں۔ مگر ھمارے صاحب کو بس ضد ہے۔ یعنی کہ جو وہ چاھتے ھیں وہ ھونا ھی چاھیے، نہیں تو موڈ نہیں آتا۔''

یہی وجہ تھی کہ جب ایک پروڈیوسر کا دیوالہ نکل جاتا تو وہ آسے ورثہ کے طور پر دوسرے پروڈیوسر کے سر چپکا جاتا۔

یہی وجہ تھی کہ احسان صاحب کو مظہر پر اتنا اعتبار تھا کہ خود اپنی ذات پر نہیں تھا۔ آپ کی عقل کام نہیں کرتی تھی کہ اتنی پارسا بیوی اور سچا دوست کیسے دغا دے گئے؟ کئی دن تو بالکل سناٹے میں پڑے رہے۔ ادھر سمن نے جب ان کی یہ حالت دیکھی تو وہ سوتیا ڈاہ سے

حل مری اور ایک دم روٹھ گئی ۔ رنڑ ہوٹل کے بل کا ماتم کرتی ، گالیاں دیتی ، مول چند براو کے کھار والے فلیٹ میں ، جو عرصہ دو ماہ سے خالی پڑا تھا ، اٹھ آئی ۔ مول چند نے حال ہی میں اوور شپ کے فلیٹ بنوا کر بڑا مال کمایا تھا ۔ فلم اسٹاروں کا بڑا دیوانہ تھا ۔ اس کے حسابوں میں فلم اسٹار تھی ! اسی زمانے میں احسان صاحب کو ہیر، ٹائیفائیڈ نے دبوچ لیا ۔ فلم کا حساب تو گڈ مڈ چلتا ہی ہے ، بلیک کی چھوٹی رسیدیں بھی ابھی پوری نہیں لی تھیں ، قرض دار ٹیٹوے پر سوار تھے ، اس لیے وہ اپنی پہلی بیوی کے پاس لکھیم پور انڈر گراؤنڈ ہو گئے ۔

جی ہاں یہ فلم لائن ہے ۔ یہاں ہر پہلی بیوی سے ایک اور پہلی بیوی ہوتی ہے ۔ یہ اسی ہی لائن ہے ۔ یہاں عشق ، شادی اور بیوپار ، سب گودڑ کی پوٹلی کی طرح ہے ۔ فلمی آدمی کو بارہا شادیاں رچانا پڑتی ہیں ۔ ایک تو وہ شادی ہوتی ہے جو والدین نو عمری میں کر دیتے ہیں ۔ جب بیوی بچے ایک مستقل طعنہ بن جاتے ہیں اور گھر میں گھسنا محال ہو جاتا ہے تو وہ بھاگ کر فلم لائن میں پناہ لیتا ہے ۔ اور اگر گھر جوائی ہو تو ساس سسر ہر نوالے پر سو جوتیاں رکھ کر دینے لگتے ہیں ۔ جب ساری نوکریاں ملنے کی عمر گزر جاتی ہے تو ملنے جلنے والے آپسے قرض کی وبا سمجھنے

لگتے ہیں۔

تب اسے وہ فلمی مجرے یاد آتے ہیں۔ محبوب ایک ایکسٹرا تھے، آج فلم انڈسٹری کے مائی باپ ہیں۔ شانتا رام اسٹیج پر ناچا کرتے تھے۔ اشوک کمار پچاس روپیہ مہینہ کے اسسٹنٹ تھے۔ سب کے سب کامیاب اور بڑے بڑے لوگ کچھ نہیں سے سب کچھ بن گئے۔ اور وہ اپنی بیوی کا بچا کھچا زیور لے کر، یار دوستوں سے سوٹ مانگ کر، سوٹ کیس اور ہولڈال ادھار حاصل کر کے بمبئی روانہ ہو جاتا ہے۔

بمبئی پہنچ کر وہ کچھ دن ہوٹلوں میں رہتا ہے۔ پھر جب حالت گرنے لگتی ہے تو وہ سامان کسی کے گھر میں ڈال کر کھانا سب چوروں کے ساتھ کھانے لگتا ہے۔ کپڑے کسی کے کھاتے میں دھلواتا ہے، ناشتہ کسی کے ہاں کر لیتا ہے اور سونے کو جہاں بھی رات کو دیر ہو جائے پڑ رہتا ہے۔ صبح ہی صبح کسی اسٹوڈیو میں پہنچ جاتا ہے۔ وہاں ہیروئن یا سائیڈ ہیروئن کے ساتھ لگا رہتا ہے۔ کبھی ہیرو یا ولین کے ساتھ چپک جاتا ہے۔ یہ لوگ بھی دوریت سے بچنے کے لیے اسے جھیل جاتے ہیں۔ فلم آرٹسٹوں کا نہ کوئی کام ہے، نہ کوئی تفریح کی جگہ، نہ کسی چیز میں دلچسپی لینے کا وقت۔ اس قسم کے لوگوں سے، جو ذرا مسکا لگانا جانتے ہوں، ان کا وقت کٹ جاتا ہے۔ ہر

ہیرو شوٹنگ کے بعد گھر پر ایسے ہی پر کٹے کبوتروں کو گھیرے دوسرے مکاروں کی برائیاں دکھاتا کرتا ہے۔ شراب کا شغل چلتا ہے۔ امیدوار کو بھی کچھ حلق تر کرنے کے لیے مل جاتی ہے۔ اسی طرح وہ آہستہ آہستہ اس کا چمچہ بن جاتا ہے۔

اس عرصے میں وہ واپس لوٹنے کا وعدہ کر کے بیوی سے اور زیور بکوا کر پیسہ منگا لیتا ہے۔ جب اس کے جوتے پھٹ جاتے ہیں، کپڑے تار تار ہونے لگتے ہیں تو وہ کچھ دن کے لیے گھر لوٹ بھی جاتا ہے۔ مگر اس عرصے میں اسے بمبئی کی ہوا لگ چکی ہوتی ہے اور فلم لائن کا چسکہ پڑ جاتا ہے۔ گھر والوں پر وہ خوب اپنی دوستیوں کا رعب ڈالتا ہے۔

ہزاروں اور لاکھوں کی باتیں کرتا ہے اور پھر ادھر ادھر سے پیسے بٹور کر بمبئی آجاتا ہے۔ اگر وہ اچھا مسکہ باز ہے تو بہت جلد کسی ہیروئن یا ہیرو کے کواپریٹس سے پروڈیوسر یا ڈائرکٹر بن جاتا ہے۔ چونکہ سود پر ادھار اسٹوڈیو اور خام فلم کا انتظام کر کے وہ ہیرو سے بغیر معاوضہ لیے دس دن کی شوٹنگ کی بھیک مانگ لیتا ہے۔ یا تو خود ہی ڈائرکٹر پروڈیوسر بن جاتا ہے یا اپنے کسی کنگال دوست سے فلم ٹھیکوا لیتا ہے۔ بظاہر وہ اور ڈائرکٹر خود

کچھ نہیں لیتے، مگر جب فلم کی ترس ہو جاتی ہے تب اُس کے ختم ہونے تک ٹھاٹ ہو جاتے ہیں۔ وہ فوراً نئی پتلونیں اور نائیلون کی نش شرٹس سلواتا ہے۔ ایک فلیٹ لے کر اس میں ہی آفس کھول دیتا ہے۔ جرنلسٹوں کو کھلا پلا کر خوب پبلسٹی کرواتا ہے۔ ایک دم اُس کی بڑی پوزیشن ہو جاتی ہے۔ ہیرو بننے کے خواہش مند نوجوان اور دوشیزائیں مع اپنی ماں یا نانی کے اس کے گرد جمع رہتے ہیں۔ صبح سے شام تک ہزاروں مفت کام کرنے والوں کا تانتا لگا رہتا ہے۔ کوئی مفت کہانی لیے چلا آتا ہے، کوئی مفت میوزک دینے پر تلا ہوا ہے

"آپ فلاں شاعر کو ایک گانے کے ہزار روپے دیتے ہیں، میں مفت لکھ کر تیار ہوں۔ ہٹ ہو جائے تو دے دیجیے گا۔"

"بس میں تو سکرین پر نام دیکھنا چاہتا ہوں۔ کہانی لے لیجیے، چاہے کچھ نہ دیجیے۔"

مگر یہاں بھی کام سے پہلے نام بیچنا پڑتا ہے۔ اس لیے ہوشیار پروڈیوسر نام کسی کا بیچتا ہے، کام کسی اور سے اونے پونے لے کر ٹھوک دیتا ہے۔ اب کون اس سے سر مارتا پھرے۔

اور اسی زمانے میں آسیہ کسی ایکسٹرا یا نا کام سائیڈ

ہیروئن سے عشق ہو جاتا ہے ۔ وہ اُسے اگلی پکچر میں ہیروئن کا چانس دینے کا جھانسہ دے کر اپنا اُلو سیدھا کر لیتا ہے ۔ اگر وہ صابر اور سیدھی سادی ہے تو وہ اُسے کچھ دن اور جھیل لیتا ہے ۔ پھر کسی اور کو ہیروئن بنانے لگتا ہے ۔ ظاہر ہے کہ جسے وہ غلطی سے ہیروئن بنا دے وہ فوراً نیک اور پارسا بن کر اپنی اماں ابا کے زیرِ سایہ لاکھوں کمانے لگتی ہے ۔ اگر اس کی فلم ہٹ ہوئی ہو تو وہ اس سے قطعی ناطہ توڑ لیتی ہے ۔

اس لیے وہ ذرا بھی جاندار لڑکی دیکھتا ہے اور وہ اُسے پسند آ جائے تو اُسے گھیر گھار کر شادی کر لیتا ہے ۔ وہ بھی پروڈیوسر کی بیوی بننے میں زیادہ شان محسوس کرتی ہے ۔ کل تک سیٹ پر دھتکاری جاتی تھی ، آج بیگم صاحب کہلاتی ہے ۔ بات بے بات ہر ایک پر رعب جماتی ہے ۔ پیٹھ پیچھے لوگ اُسے بھیانک گالیاں دیتے ہیں ، منہ پر سلام جھاڑتے ہیں ۔

احسان صاحب کی بیگم بھی کسی زمانے میں رعیت میں مستقل سائیڈ ہیروئن تھیں ۔ عموماً کامیڈین کے ساتھ دھول دھپوں کے سین میں رول کیا کرتی تھیں ۔ مگر اب لوگ انھیں بھول بھال چکے تھے ۔ وہ بھی دس سال بچوں میں گھری ہوئی بالکل میلی کچیلی گھرستن بن گئی تھیں ۔ مگر احسان صاحب

کی آئے دن کی عشق بازیوں سے اُکتا کر کبھی کبھی وہ بھی کسی میں دل چسپی لے لیا کرتی تھیں۔ مظہر سے کئی سال سے میل جول بڑھ رہا تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ وہ بیوی پر پورا پورا بھروسہ کرتے ہیں۔ سب حساب کتاب اُسی کے ہاتھ میں تھا۔ اب جو سمن کا قصہ چلا تھا، اس سے بیگم خار کھائے بیٹھی تھیں، پہلی فرصت میں کوڑا کرکٹ احسان میاں کے سر پٹخ وہ جھاڑو دے کر چلتی بنیں۔

اور احسان میاں کچھ نہ کر سکے۔ کیونکہ سارا روپیہ چوری کا تھا اور بیگم اُن کی فلمی بیوی تھیں۔ نکاح کرنے کی کبھی ضرورت ہی نہیں محسوس ہوئی۔ اس رویّہ کی کسے اُمید تھی؟

اُن کے جانے کی بیگم کو بڑی خوشی ہوئی۔ پاپ کٹا۔ کمبخت بہت اتراتی تھی، جیسے بیلوفر تو بیسوا ہے اور وہ مالزادی بڑی بھلی بیوی ہے۔ کیا ناک چڑھا کر بات کرتی تھی۔ دوسرے احسان میاں کا کمیشن جاری تھا۔ اور اب انہیں جونکہ اُن کی مدد کی ضرورت نہ تھی، اس لیے کانٹے کی طرح کھٹکتے تھے۔ اب وہ احمد بھائی سے براہِ راست چپ چاپ سودا کر لینا چاہتی تھیں۔ کئی بار انہوں نے بے رخی برتی، مگر احسان صاحب ایک ڈھیٹ تھے۔ کھیسیں کاڑھے ہنسا کرتے اور پیسہ لیے بنا نہ ٹلتے۔ کتنی ہوس تھی۔ کمبخت

کا کسی صورت تسور بھرتا ھی نہ تھا ۔ ادھر آدھر الگ ھاتھ مارتا تھا ۔ انہوں نے ان کی غیر موجودگی سے فائدہ اٹھا کر کان بھرنا شروع کیے ۔ آٹھتے بیٹھتے رونا روتیں ۔ ہر بات کا حساب کرتیں ۔ ساری نے ایمانیوں کے پول کھول دیے ۔

کس قدر بدل گئی تھیں ان چند سالوں میں وہ ! ان کی باتوں میں بازاری رنگ جھلکنے لگا تھا ۔ اگر کوئی عورت احمد بھائی کی طرف نظر بھر کے بھی دیکھ لیتی تو وہ سوتیاہ ڈاہ سے جل کر مرنڈا ہو جاتیں ۔ وہ کھلی کھلی گالیاں سناتیں کہ توبہ ۔ نیلوفر کو ویسے ھی احمد بھائی سے خدا واسطے کا بیر تھا ، ان باتوں کا بہانہ لے کر وہ بالکل ھی ان کا کچومر نکال دیتی ۔ بات بات پر منہ بھر کے گدھا ، پاجی ، حرامی پلا کہہ دیتی ۔ اب تو وہ جوتی بھی اٹھا کر مارنے سے نہ چوکتی ۔

" اے ہے بدبخت زری کو جوتا مارتی ہے ۔" بیگم سہم کر کہتیں ۔ ان کی دانست میں احمد بھائی آٹے کی اس بوری کی طرح تھے جس کا منہ مستقل کھلا رہتا تھا ۔ ماہانہ تنخواہ کے علاوہ روز ھی وہ کچھ نہ کچھ لے آتے ۔ نیلوفر نظر اٹھا کر نہ دیکھتی ۔ بیچارے اداس ہو جاتے

" کیا بیبی کبھی بھی خوش نہیں ہوتا ؟ " وہ اسے فلمی بیبیوں کی طرح بیبی کہتے تھے ۔ کچھ بھاؤ اونچا لگنے

لگتا تھا ۔

"ارے ستی ہے احمد بھائی ۔ منہ پر نہیں ظاہر کرتی ، آپ سے چھیڑ میں اسے مزہ آتا ہے ۔"

وہ منجھی ہوئی نائیکہ کی طرح کہتیں ۔ پیشے کے ساتھ ساتھ گر قدرت نے ضرورت کے لحاظ سے خود بخود سکھا دیے ۔ بیگم پر خوب لونی چڑھ رہی تھی ۔ رنگ نکھر کر گلاب کی پتی ہو گیا تھا ۔ میک اپ بھی ڈٹ کر کرنے لگی تھیں ۔ پہلے تو بالوں میں کبھی کبھی مہندی لگا لیا کرتی تھیں ، مگر جس دن سے بیبی کے بال پرماننٹ سیٹ کرانے ہیئرڈریسر کے ہاں گئیں ، اس نے رائے دی تو خضاب لگوانے لگیں ۔ بال کالے چھدرے ہوگئے تھے ، مگر پہلے سے بہت جوان لگتی تھیں ۔ بڑے ٹھسے کے بلاؤز سلواتیں : بہت لو کیلے ، چولی کٹ کے بری طرح بھسے ہوئے ۔ گوشت کے لوندے ابل پڑتے ۔ سوجے ہوئے سڈول ہاتھ انگوٹھی چھلوں سے لدے رہتے ۔ جب وہ چاندی کی پٹاری سامنے رکھے گلوریاں بناتیں تو بس سارنگی کی گنگناہٹ اور طبلے کی تھاپ کی کسر رہ جاتی تھی ۔

سلیم کو انہوں نے پچگنی سینٹ پیٹر میں داخل کروا دیا تھا ۔ لڑکیوں کو بھی اس سال وہیں کمسر میں چھوڑ آئیں ۔ گھر کی فضا کمسن بچوں کے لیے سازگار نہ تھی ۔ بیلوفر اور احمد بھائی کا عشق بالکل بلیوں جیسا چیختا ، چنگھاڑتا ہوا

کرتا تھا ۔ بچوں کے دلوں میں کھد بد ہؤا کرتی ۔ دروازے پھوڑ دیتی تھی ۔ نشے میں چور ایک دن احمد بھائی نے کیا حرکت کی کہ برآمدے میں بیٹھی ہوئی حلیمہ کی گھگی بندھ گئی ۔ روتی ہوئی آکر وہ ماں سے چمٹ گئی ۔ احمد بھائی کچھ یوں ہی سا تولیہ لپیٹے اپنی صفائی پیش کرنے چڑھے چلے آئے ۔ ہاتھ چلا چلا کر کہنے لگے :

" ایک دم بدماش چھوکری ہے ۔ پرائیویٹ روم میں کاہے کو جھانکا ؟ ہم کچھ نہیں کیا ۔ اتنا بولا : ' بابا ادھر ہم بات کرتا ہے ، اکاسی میں جا کے کھیل ۔' اوپر سے بولتی ہم اس کا چھاتی نوچا ۔ کیا بابا — ہم کاہے کو نوچتا ؟ کیا ہم ایسا موالی ہے ؟ بولو ! "

بڑی مشکل سے سمجھا بجھا کر ٹالا ۔ اور نیلوفر کو دیکھو! بے حیا کھی کھی ہنستی رہی ، جیسے کچھ بات ہی نہ ہو ۔ بڑی اب کافی ہوشیار ہو گئی تھی ۔ وہ خوب سمجھتی تھی کہ احمد بھائی کا نیلوفر سے کیا رشتہ ہے ؟ احسان صاحب بھی اس پر ضرورت سے زیادہ مہرباں نظر آتے تھے ، بات بے بات گود میں گھسیٹ کر دبوچتے ۔

" ارے کیا اسکول میں وقت ضائع کرتی ہے ۔ اسے ناچ سکھواؤ ۔ اچھو مہاراج سے میرے بڑے اچھے مراسم ہیں ۔" وہ رائے دیتے ، اور بیگم کا خون کھول اٹھتا ۔ ایک بھینٹ

تو انہوں نے چڑھا دی ، مگر خاندانی پیسے کا پروگرام انہیں بڑا گھناؤنا معلوم ہوتا ۔ نیلوفر ویسے بڑی لا اُبالی تھی ، مگر بھائی یا جن پڑھنے میں کوتاہی کرتے تو چار چوٹ کی مار دیتی ۔ کبھی اُن کی کتابیں ھاتھ آجاتیں تو بڑے پیار سے انہیں اُلٹ پلٹ کر دیکھتی ، جیسے اُن کے ورقوں میں اپنا وہ کھویا ہؤا زمانہ ڈھونڈ رھی ہو جب وہ اسکول جاتی تھی ۔ اُف ، کیا دن تھے وہ بھی! کیا سر جوڑ کر گوئیوں سے باتیں ہؤا کرتی تھیں ! زندگی کی باتیں ، پیار اور چھیڑ چھاڑ کی باتیں ، کنوارے خوابوں کی دھڑکتی ہوئی باتیں ، جن میں اُبٹن کی خوشبو تھی ، مہندی کا رچاؤ تھا — اور سہاگ پُڑے کی مہک تھی ۔ اور پھر وہ آن جب چاپ گونگی شہنائیوں کے سروں میں کھو جاتی ، جو اب کبھی نہیں بجیں گی ۔ پھر وہ چونک پڑتی ۔ احمد بھائی کے رال میں لسڑے ہوئے ہونٹ اس کی کمزور کنواری ہستی کو بھنبھوڑ ڈالتے اور وہ بڑی بے دردی سے جو چیز ھاتھ آجاتی کھینچ مارتی ۔ وہ بڑی مرکھنی ہو گئی تھی ۔ ایک دن مذاق ھی مذاق میں احمد بھائی کے ایسی بے جگہ لات مار دی کہ ذبح کیے ہوئے بکرے کی طرح اڑانے لگے ۔ بڑی مشکلوں سے سیڑھیاں اُترے ۔ دوسرے دن چڑھتے وقت ایسی ٹیسیں اُٹھیں کہ پسینے میں ڈوب گئے اور وھیں سیڑھیوں پر ڈھیر ہو گئے ۔ سیدھے ھسپتال

گئیے۔ معلوم ھؤا ھرنیا کا اسٹرینگولیشن ھو گیا ۔ اگر ذرا اور لاپروائی برتی جاتی تو اللہ کو پیارے ھوگئیے ھوتے۔

واچہ نرسنگ ھوم میں دو ھفتہ پڑے رھے ۔ زور بیلو مر کی دھائی ڈالتے، مگر سو سو نخروں کے بعد جاتی اور لڑنے لگتی۔ ادھر اُن کے سسر نے ڈوریاں کھینچنا شروع کیں ۔ فلم میں لگایا ھؤا روپیہ ڈوب چکا تھا ۔ ھسپتال کا بل ادا کرنا مشکل ھوگیا۔ بیگم صاحب سی جو مٹھی میں تھا دبائے بیٹھی تھیں ۔ تھا بھی کیا ؟ خرچ سے خرچ تھے ۔ ہائے سو تو بچوں کا ھی نکل جاتا تھا ۔ پھر آئے دن پارسلیں جاتیں ۔ بیگم خود دوڑ دوڑ کر جاتیں ۔ گھر میں بھی لنگر خانہ کھلا ھؤا تھا ۔

احسان صاحب سسرال سے لوٹ آئے تھے ۔ احمد بھائی سے اب اُن کی کٹّی ھو گئی تھی ۔ بقول کسے اب احمد بھائی بھی کڑکے ھو چکے تھے ۔ آدھی بی فلم کے ورلڈ رائٹ جن کے پاس تھے اُس نے آفس پر قبضہ کر لیا ۔ ھر طرف احمد بھائی ھنڈیاں دے چکے تھے ۔ اُدھر ڈسٹری بیوٹر فلم کی ڈلیوری کا تقاضہ کر رھے تھے ۔ مگر لال ڈریس والے نے الگ دعویٰ ٹھوک دیا ۔ فرنیچر والے نے نوٹس دے دیا ۔ پے در پے تین فلاپ فلم بنائے ۔ بال بال قرضے میں بندھ گیا ۔

کتنا سمجھایا حرام زادی بیلومر کو کہ زیور لے ، یہ کوڑے کرکٹ میں پیسے مت غارت کر ، مگر اُسے تو جیسے

صد تھی ۔ کالی پیلی گندے رنگوں کی ساڑھیوں کے علاوہ کبھی جو کسی چیز میں دلچسپی لے جائے ۔ اور ساڑھیاں بھی وہ پہنتی کب تھی ؟ بس ایک میلا سا ہاؤس کوٹ پہنے گھوما کرتی تھی ۔ لاکھ سمجھایا مگر کبھی بن ٹھن کر تیار نہ ہوئی ۔ نتیجہ یہ کہ جب فلیٹ پر بھی ٹاچ آگئی تو حواس گم ہو گئے ۔

اس برے وقت میں حیرت ہے کہ کام آئے احسان صاحب ! جیسے ہی سنا ، فوراً سورج مل کو لے کر بھاگے آئے ۔ اسی وقت فلیٹ خرید کر کاغذ انہوں نے بیگم کے قدموں میں ڈال دیے اور سب کو آپ کی موٹر میں بھر کر " گے لارڈ " میں کھانا کھلانے لے گئے ۔

احمد بھائی نے بڑا ماتم برپا کیا ۔ سورج مل مسکرا کر اٹھے اور چل دیے ۔ بیگم روکتی رہ گئیں ۔

" آپ ان سے نپٹ لیجیے ، میں شام کو آؤں گا ۔"

احمد بھائی نے بڑے فیل مچائے ۔ سورج مل کو گولی مارنے کی دھمکی دی ۔

" اے ہے دیوانہ ہو گیا ہے ؟ کمبخت وہ تو دو گھڑی کو آیا اور چلا گیا ۔ خدا قسم کیا شریف آدمی ہے ۔ بیبی کی طرف بری نگاہ تک نہ ڈالی ، ہاتھ پکڑنا تو بڑی بات ہے ۔"

" ہی سالہ تم کتنا بے ایمان ہے ۔ ہم خرا بیمار پڑا اور

تم اُدھر دوسرا سیٹھ چالو کر دیا ۔ پکا چور ہے تم لوگ ۔''

'' اے تو کیا سڑک پر جا پڑتے ؟ اس بیچارے نے برے وقت میں سہارا دیا ، ورنہ تم تو وہیں ابھی جورو کے کلیجے میں گھسے بیٹھے رہتے ۔ ہم یہاں ویران ہو جاتے تو تمہاری بلا سے ۔''

'' کیا بکواس کرتا تم ۔ ہم سالہ جورو کا پاس کب گھسا ؟ ہم اپنا سامان لینے کو گیا ۔ ہم اس کو طلاق دے دے تم بولے تو ۔ بس آج ہی نکاح ہو جاوے ۔ سالہ کھٹ کھٹ ختم ہووے ۔''

'' نکاح ؟ '' بیگم نے قہقہہ لگایا ۔ '' سیٹھ جب وقت تھا اور ہم نے تمہاری جوتی پر نکاح کے واسطے ناک رگڑی تھی تو کیا ٹکا سا جواب دے دیا تھا : ' نکاح کا لفڑا نہیں مانگتا ۔' ہنہ ! ہے ہے بچی کو بچا لیا اللہ نے ، ورنہ میں کمبخت تو خود ہی جہنم میں جھونکنے کو تیار تھی ۔''

'' پر اب ہم بولتا نا ۔ نکاح بھی کرے گا ۔ ہاں اور کیا ؟ ''

'' تو نیلوفر سے پوچھ لو ۔ وہ راضی ہو تو میری بلا سے ۔'' بیگم جانتی تھیں نیلوفر کیا جواب دے گی ۔ چڑھانے کو بس کر بولیں ۔

'' نا بابا ! اس کا مستک پھریلا ہے ۔ ہم تم کو بولتا ۔''

" ہم کو کیا بولتا ؟ " ممہ چڑھا کر بولیں۔
" تم اُس کا گارجین ہے ۔"
" اونی میں کیوں ہوئی گارجین پھارجین ؟ اللہ رکھے سبھی نہیں اب وہ ۔ اپنی مرضی کی مختار ہے ۔ اس کا جو جی چاہے کرے ۔ ایک چھوڑ دس نکاح کرے ، میری جوتی سے ۔"
" وہ ایک دم سالہ ھلکٹ ہے ۔"
" میں کچھ نہیں جانتی ۔ کمرے میں بیٹھی ہے ، بات کر لو جا کے ۔"

ڈرتے ڈرتے احمد بھائی کمرے میں گئے ۔ ییلو ور مجنٹا رنگ کی اطلس کا ھاؤس کوٹ پہنے فرش پر پڑی تھی ۔ اس کی ایک ران کھلی تھی ۔ آج احمد بھائی نے دروازہ بند کر لیا ۔

"بیبی !" وہ ڈرتے ڈرتے بولے ۔ سفید ھاتھی دانت جیسی پنڈلی پر سنہری رونگٹے جگمگا رہے تھے ، جیسے کسی مشاق سنار نے کندن جڑ دیا ہو ۔
" بیبی ڈارلنگ ۔" احمد بھائی گھگھیائے ۔
" کیا ہے ؟" اس نے میگزین کے پیچھے سے جواب دیا ۔
" کیسا ہے تم ؟ "
" اچھا ہے ہم ۔ کائیکو ؟" سلو ور احمد بھائی کی صحبت میں بڑے لٹکے سے ویسے ہی بولنے لگی تھی ۔
" تم ناراج ہے کیا ہم سے ؟"

"کاٹیکو؟" اُس نے ان کی نقل اتاری۔

"پھر تم ہمارے کو کِس بھی دیا۔"

"کِس مانگتا؟ لو کِس۔" اُس نے اپنے گول گول ہونٹ پھیلا کر تھوڑی آگے بڑھا دی۔ مگر جب احمد بھائی اس پر جھکے تو وہ لوٹ لگاتی دور چلی گئی۔ جھوک میں اوندھے ہو گئے بیچارے۔ ڈاکٹر نے احتیاط کا حکم دیا تھا۔

جب وہ ملازم، پسینے میں تر، لرزتی ٹانگوں سے سر جھکائے نیچے اُتر رہے تھے تو نیلوفر کے قہقہے اُن کے پیچھے تالیاں بجاتے دوڑنے لگے۔

"اے کیا ہؤا؟ کیوں چلے گئے ابھی جلدی؟"

"فیوز اُڑ گیا۔" نیلوفر نے قہقہہ لگایا۔ بیگم کی خاک سمجھ میں نہ آیا۔ نیلوفر پاگلوں کی طرح اُوبجے اُوبجے قہقہے لگا رہی تھی۔ مارے ہنسی کے پیٹ میں بل پڑ رہے تھے۔ آنکھوں سے پانی بہہ رہا تھا۔

"دیوانی ہو گئی ہے کمبخت!" انہوں نے بچوں کو باہر ڈھکیل کر اُس کے جسم پر چادر ڈال دی۔ مگر جب نیلوفر نے ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو کر تفصیل بتائی تو بیگم بھی مسکراہٹ نہ روک سکیں۔

"اے ہے — بڑی ظالم ہے تو۔" وہ بولیں۔

"واہ، ہم کیا کرتے؟" نیلوفر الھلائی اور لاتوں سے چادر دور پھینک دی۔ "اف کیا گرمی ہے۔"

نیلوفر کو بیگم نے جنم دیا تھا۔ ابھی چند سال پہلے تک کبھی کبھی اپنے ہاتھوں سے نہلا بھی دیا کرتی تھیں۔ مگر اس وقت اُس کی ننگی جوانی کو ملگجے بستر پر مچلتا دیکھ کر تھرا اٹھیں، جیسے خود انہیں نے جا کر کسی نے چوراہے پر ننگا کر دیا ہے۔ قسمت نے دھکے ضرور دیے تھے، مگر ان میں اب بھی شرم و حیا موجود تھی۔ احسان صاحب تو خیر غیر تھے، انہوں نے نواب صاحب کے سامنے جوانی کے دنوں میں بھی کمرے میں بجلی روشن نہ کرنے دی۔ اور نیلوفر کا دھندا تو تھا ہی تاریکی کا۔ سو کینڈل پاور بلب کے نیچے اس کا دھکتا ہؤا بدن انہیں جلا کر راکھ بنا رہا تھا۔

"اٹھ بے حیا۔ کیا سانڈنی کی طرح پڑی اینڈ رہی ہے۔"

"اوں، ہمیں گرمی جو لگتی ہے۔" وہ اور پسر گئی۔

دروازہ بند کر کے وہ لوٹ آئیں، اور سلیم کے ایک دھول جڑی، جو کھڑکی میں سے جھانکنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ پندرہ دن کی چھٹیوں میں پنچگنی سے آیا ہؤا تھا اور واپس جانے کے خیال سے اداس ہو رہا تھا۔

تیسرا باب

احسان صاحب لوٹ کر آئے تو معلوم ہوتا تھا نہ جانے کتنے برس کھٹیا گوڑ کر آئے ہیں۔ بے حد لاغر۔ ایک دم حصاب چھوڑ بیٹھے سے عجیب جتکبرے۔ جنگلی بلاؤ کے سے رو کھے بال، مٹی جیسی مردہ رنگت، بوسیدہ لباس۔ ان کی عورت اور سکریٹری نے بالکل ننگا کر کے چھوڑا تھا۔ اصلی بیوی کے پاس اگر کچھ تھا بھی تو وہ چھدام خرچ کرنے پر تیار نہ تھی۔ وہاں سے خالی دل، خالی ہاتھ لوٹے۔ بیگم کے پاس دو وقت کے کھانے کا سہارا تھا، مگر وہ بھی بار بار جتاتی رہتی تھیں کہ انہوں نے اپنا کمیشن پا لیا۔ ادھر جب سے احمد بھائی کے لات لگی تھی وہ ذرا حسیس ہو گئے تھے۔ نیلوفر کو تو سوائے کھی کھی کے اور کسی چیز سے دلچسپی نہ تھی۔ مکان کا کرایہ چڑھتا چلا جا رہا ہے۔ سلیم کا خرچ ہر مہینے بڑھتا جا رہا ہے۔ لڑکیوں کا بل اگر دس تاریخ تک ادا نہ ہو جائے تو جینا دوبھر ہو جائے گا۔ اتنا خرچ اور ڈیڑھ دو ہزار کی آمدنی — کیا بگی جائے، کیا چھوڑے!

احسان صاحب کے پاس اس کے سوا اور کیا چارہ تھا

کہ صبح ہی صبح اٹھ کر کسی اسٹوڈیو کا رخ کرتے - وہیں کسی پرانے جان کار آرٹسٹ کے میک اپ روم میں ڈٹ کر کسی بدنصیب پروڈیوسر کی قبر کھودتے - ناشتہ کے بعد اسی آرٹسٹ کے ساتھ لگے لگے سیٹ پر چلے جاتے - کچھ لوگوں کو اب تک ان کی اصلی حالت کا اندازہ نہ تھا - کسی زمانہ میں پروڈیوسر تھے ، ہاتھی لٹے تو بھی سوا لاکھ کا ، چھوٹے موٹے ایکسٹرا انہیں گھیر لیتے :

" کہیے احسان صاحب پکچر کب شروع کر رہے ہیں ؟ "

" بس اب مہورت کرنے ہی والا ہوں - کل دیوانند سے طے ہو گیا - سیمل دت کو بھی رول پسند ہے - ڈبل رول ہے - ایک امیر لڑکے کا ، ایک غریب کا ، دونوں ہم شکل ہیں - صاحب کمال کی اسٹوری ہے - راجندر سنگھ بیدی سے ڈائلاگ کا ہو گیا ہے - کسی سے کہنا نہیں ، کہانی دراصل مکھ رام شرما کی ہے ، مگر وہ اپنا نام کسی وجہ سے نہیں دینا چاہتے - "

جو انہیں جانتے تھے وہ سمجھ جاتے کہ ریٹیں ہانک رہے ہیں - انجان لوگ فوراً ان کی خاطروں میں لگ جاتے - کیونکہ وہ فوراً کہتے :

" ہیروئن کوئی نئی لڑکی لینا چاہتا ہوں - " اور تمام

نئی لڑکیوں کے رشتے دار انہیں راحہ اندر لا کر گھیر لیے ۔

" ارے بھائی چائے لاؤ احسان صاحب کے لیے ۔ لیجیے سگریٹ لیجیے ۔ ایک لڑکی ہے ، دیکھیے گا ؟ کیا یہ آپ کی میا کماری اور وجینتی مالا ہیں ! لچھو مہاراج کی سدھائی ہے ۔ کتھک میں واقعی لچھو مہاراج کا جواب ہندوستان بھر میں نہیں ۔ بھئی کیا لڑکی ہے احسان صاحب ! "

" کون سی لڑکی ؟ "

" ہے ایک — آپ کسی دن ٹیسٹ لیجیے ۔ "

" وہ سریتا کا ذکر کر رہے ہو ؟ "

" ارے نہیں صاحب ۔ آپ بھی کیا باتیں کرتے ہیں ؟ سریتا سالی کا تو باپ بڑا دنگا کرتا ہے ۔ پرسوں برائٹ صاحب کے سٹ پر پی کر آ گیا ۔ بات بے بات گالیاں بکنے لگا کہ جان بوجھ کر رک دینے کے لیے ڈائرکٹر آسے ریہرسل میں بھیج رہا ہے ۔ ویسے شاٹ میں بھیجیے تو کوئی بات نہیں ، مگر یہ ڈائرکٹر فضول میں ریہرسل کے بہانے بے تکلف ہو رہا ہے ۔"

" ارے میاں وہ اُس کا باپ نہیں ہے ۔ "

" مگر اُس کی ماں سے سا تھا شادی کر لی ہے ۔"

" شادی کیا ؟ ہاں ، شادی تو ماں ہی سے کی ہے ، مگر یار ایک دم سالی کباڑا ہے ۔ ماسٹر وٹھل کے ساتھ

سائینسٹ فلموں میں ہیروئن ہؤا کرتی تھی ۔"

" پہلے تو سریتا ہی کے پیچھے لگا رہتا تھا ۔ اُس نے اسے کئی جگہ کام دلوایا ، مگر سالا ہمیشہ کا فسادی ہے ، ہر ایک کی کنٹی بیوٹی بگاڑ دی ۔ جس دن شوٹنگ ہوگی نخرے کرنے لگے گا ۔ سب جگہ سے نکالا گیا ۔"

" اماں لعنت بھیجو سالی ٹکھیائی ہے ۔"

" اوہو ! آئیے آئیے میڈم ۔ بھئی آپ تو عید کا چاند ہوگئی ہیں ۔ " سریتا ایک بلوچی کا ڈریس پہنے ، اُونچی ایڑیوں کی مدد سے پانچ فٹ دو انچ کا قد ٹھمکاتی ، بلاتکی پھلانگتی چلی آ رہی تھی ۔ اُسے دیکھتے ہی گالیاں دینے والے ایک دم جادو نگری کے پری زاد کی طرح لوٹ پوٹ کر اُس کے عاشقِ صادق بن گئے اور ٹھنڈی آہیں بھرنے لگے ۔ یہ فلمی دنیا ہے ۔ یہاں ہر چیز مصنوعی ہے ۔ یہاں کالے کو گورا اور گورے کو کالا بنانے کے پلاسٹر ہیں ۔ گنجے سروں کے لیے وگ ہیں اور بال والے سروں کو گنجا بنانے کے لیے ربڑ کی ٹوپیاں ہیں ۔ چپٹی پھیلی ناکوں کو شیڈ دے کر پتلا ستواں بنوا لیجیے ۔ چندھی آنکھوں میں ستاروں کی لویں کوٹ کر بھروا لیجیے ۔ بال چھدرے ہیں تو گنگاوں حاضر ہے ، لمبی چوٹی جھولنے لگے گی ۔ بال لمبے ہیں تو رول بنوا کر انہیں باب فیشن کروا لیجیے ۔ دہانا چھوٹا ہے

تو چوڑی لپ سٹک چڑھا کر بھرپور بن سکتا ہے ۔ بہت پھیلا ہوا ہے تو کناروں پر سے چھوڑ کر لپ سٹک لگوائیے ۔ ہیروئن سوکھی چھپٹی ہے تو ربڑ کے کولھے اور سینہ کسی اعلا کیمسٹ کی دکان سے منگوا لیجیے ۔ اگر موٹی ہے — جو کہ ہر کامیاب ہیروئن چند فلموں کے بعد ہو جاتی ہے — تو اسے تنگ کپڑے پہنا دیجیے ۔ الاسٹک کی پٹیاں باندھ دیجیے اور ناپ تول کر کیمرے کے اینگل لیجیے کہ پتلی سلائی سی نظر آئے ۔ اگر ٹھگنی ہے تو اسے چھ انچی چار انچی اسٹول پر کھڑا کر دیجیے ۔ جو بہت لمبی ہے تو ہیرو کے اسپیشل اونچی ایڑھی کے جوتے بنوا دیجیے ۔ عموماً لمبی ہیروئن کو ہیرو کے پاس کھڑا مت کیجیے، اس کے پیروں پر گرائے رکھیے تاکہ ہیرو دیوزاد لگے، جیسے دوتی کے ساتھ اپنا راج لگتا ہے ۔

بات سرتنا سے پھسل کر میک اپ کے ڈبے میں گر پڑی ۔ جو ابھی اسے گالیاں دے رہے تھے فوراً اس کو دیکھ کر گرگٹ کی طرح رنگ بدلنے لگے ۔ خیریت اسی میں ہے ۔ کون جانے آپ آج جسے اپنا چپراسی کہتے ہیں کل وہ پروڈیوسر بن کر آپ کا پالن ہار بن جائے ۔ بڑے پروڈیوسروں کا یہاں ذکر نہیں ، بلکہ ان ککرمتا قسم کے پروڈیوسروں کا ذکر ہے جو کسی بارسوخ ہستی کے طفیلی ہوتے ہیں ۔

کسی بڑے اسٹار کے گرد منڈلانے والے کوے ، جنہیں یہ اسٹار اپنا بلیک کا روپیہ وھائٹ کرنے کے سلسلے میں پروڈیوسر بنا دیتے ھیں ۔ بلکہ یوں سمجھیے انکم ٹیکس سے بچنے کے لیے اپنے فلم ان کے نام سے بناتے ھیں ۔ فلم انڈسٹری میں سب کو اس دھندے کا پتہ ھوتا ھے ۔ ڈسٹری بیوٹر کو بھی معلوم ھوتا ھے کہ اس فلم کا اصل مالک کون ھے اور لفافہ کون ھے ؟

عموماً یہ لفافے کی ذات کے پروڈیوسر بظاھر کوئی معاوضہ نہیں لیتے ۔ جتنا بھی گھپلا کرکے اڑا لیں وہ ان کی کمائی ھے ۔ یہ لفافہ پروڈیوسر بڑے کام کا ھوتا ھے ۔ نام کو پروڈیوسر اور ھر چیز کا یہی مالک ھوتا ھے ، مگر جیسے انگلستان کے شہنشاہ کو تمام حقوق دے کر بھی کچھ نہیں ملتا ، اسی طرح اس پروڈیوسر کو ایک ایسے کاغذ پر دستخط کرنا پڑتے ھیں جس کی رو سے اس کی سات پشتیں تک گروی ھو جاتی ھیں ۔ وہ رتی بھر بے ایمانی نہیں کر سکتا ۔ اگر فلم کامیاب ھو جائے تو اصلی مالک ھر چیز پر قبضہ کر لیتا ھے ، لیکن اگر فلاپ ھوجائے تو لفافہ عمر بھر کے لیے بیرنگ ھو جاتا ھے ۔

یہ لفافہ عموماً بڑے کام کا ھوتا ھے ، حالانکہ عموماً کڑکا ھوتا ھے ۔ اپنے رسوخ سے یہ تمام آرٹسٹوں سے ھاتھ

پیر جوڑ کر، ناک رگڑ کر پیسے کم کرواتا ہے ۔ وہ پورنش والا اصلی پروڈیوسر خود تو جا کر بھیک نہیں مانگ سکتا، آپ بڑی شان سے ڈٹا رہتا ہے، لفافہ کام نکالتا ہے ۔

پھر سریتا کے ۔ گھر میں لفافے پروڈیوسر گھس آئے اُنہہ! ہٹائیے بھی سریتا کو، یہ پہلے بھی کئی نام بدل چکی ہے، مگر اس میں بھی برکت نہیں تو نام بے چارے کا کیا قصور؟ ٹھگنی سی مہاسوں دار لڑاکو مرغی کی طرح ہے ۔ اگر فلم لائن میں نہ ہوتی تو کہیں پر بس ساتھی بیٹھی ہوتی اور کوئی فلم بین اس سے آٹوگراف لینے نہ آتا ۔ اسے فلم لائن میں دیکھ کر خدا کی مصلحت کا قائل ہونا پڑتا ہے ۔ اگر یہ فلم میں مس کا کردار نہ ادا کرتی ہوتی تو اب تک یقیناً اپنی ہم شکل کئی ہی لڑکیاں پیدا کر چکی ہوتی، جو کسی طرح بھی ملک اور قوم کے معیارِ حسن کو اونچا نہ کرتیں ۔ شادی نہ کر کے وہ ہماری جانوں پر کچھ کم احسان نہیں کر رہی ہے ۔ مگر شادی تو وہ کر چکی ہے، اُس شخص سے جو کبھی اُس کی والدہ کا آشنا تھا!

اتنے میں احمد بھائی آن پہنچے ۔ کچھ عرصے سے ان کا اور احسان میاں کا رشتہ کچھ آگ اور پانی کے رشتہ جیسا ہوگیا تھا ۔ ایک کا ہونا دوسرے کے لیے جگہ نہیں چھوڑتا تھا ۔ وہ کھسکنا ہی چاہتے تھے کہ احمد بھائی نے انہیں

پھانس لیا اور سیٹ کے پیچھے لے جا کر باتیں کرنے لگے۔

" میں نے پہلے ہی کہا تھا احمد بھائی یہ چھوکری تمھارے بس کی نہیں۔"

" پن چھوکری جو ایک دم کنڈم ہوئے تو اپن کیا کرے ؟ "

" سیٹھ چھوکری تو کنڈم نہیں۔ یہ کیوں نہیں کہتے تم ہی کنڈم ہو تو کوئی کیا کرے ؟ " احسان بھائی جل گئے۔

" کیا بات کرتا تم ؟ اکھا بمبئی کا چھوکری ہماری ٹانگ کے بیچو سے نکل گیا۔ "

" وہ کوئی ٹکھیائی ہوں پل پر بیٹھنے والی ہوں گی۔ سیٹھ یہ خاندانی لونڈیا ہے۔ حماقت مجھ سے ہو گئی۔ گاہک دیکھ کر مال کھپانا چاہیے — دوستی کا ستیہ ناس کیا — "

" گرم کائے کو ہوتا بابا ؟ "

" آپ بات ہی ایسی بھونڈی کرتے ہیں۔ بھلا یہ بھی کوئی بات ہوئی ، لونڈیا نے لات مار دی اور آپ دو ہفتہ کے لیے ہسپتال میں جا پڑے۔"

" پن ہم کیا کرے ؟ تم بولو نا ! اس کا ماں تمھارے کہہ بوت مانتا۔ "

" اماں تم تو سچ مچ گھاس کھا گئے ہو۔ اس کی

ماں سالی کیا کرے گی ؟ ہاں تم کو ماں چاہیے تو "

" کیا نکواس کرتا تم ؟ ہمارے کو یہ محول پسند نہیں ۔ "

" ارے بھی تو میں کیا کروں ؟ میں حود پریشان ہوں ۔ یہ سالی عورت دات ۔" احساں میاں نے ٹھنڈی سانس بھری ۔ " اچھا سیٹھ مجھے درا کام ہے ۔ "

" رات تو سو ۔ کیا سالہ آدمی ہے تم ۔ "

"سیٹھ میرا اپوائنٹ میںٹ ہے ۔ مجھے دیو کو آج کہانی سانا ہے ۔ سائننگ بھی تیار ہے ، بس اگلے مہینے سے شوٹنگ ۔ "

" کیا تم ہمارے کو الو بناتا ہے ۔ "

" میں کیا بناؤں گا ، وہ تو حدا کی قدرت دیکھ ہی رہا ہوں ، اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے پروردگار نے ! "

" ایں ؟ "

" حانے دیو تم نہ سمجھو گے ۔ "

" ہمارے پیسے کا ۔ کیا تم کچھ اریںح میںٹ ؟ "

" ہو حائے گا ، وہ بھی ہو حائے گا ۔ اچھا تو چلوں ۔ تمھاری نطر میں کوئی اچھی سیکنڈ ہینڈ گاڑی ہووے تو " احساں صاحب نے گپ لگائی ۔

" تم گاڑی لیتا ؟ "

پھاس لیا اور سیٹ کے پیچھے لے جا کر باتیں کرنے لگے ۔

" میں نے پہلے ہی کہا تھا احمد بھائی یہ چھوکری تمہارے بس کی نہیں ۔ "

" پن چھوکری جو ایک دم کنڈم ہوئے تو اپن کیا کرے ؟ "

" سیٹھ چھوکری تو کنڈم نہیں ۔ یہ کیوں نہیں کہتے تم ہی کنڈم ہو تو کوئی کیا کرے ؟ " احسان بھائی جل گئے ۔

" کیا بات کرتا تم ؟ اکھا بمبئی کا چھوکری ہماری ٹانگ کے بیچو سے نکل گیا ۔ "

" وہ کوئی ٹکھیائی ہوں پل پر بیٹھنے والی ہوں گی ۔ سیٹھ یہ خاندانی لونڈیا ہے ۔ حماقت مجھ سے ہو گئی ۔ گاہک دیکھ کر مال کھپانا چاہیے — دوستی کا ستیہ کیا — "

" کرم کاٹے کو ہوتا بابا ؟ "

" آپ بات ہی ایسی بھونڈی کرتے ہیں ۔ بھلا یہ بھی کوئی بات ہوئی ، لونڈیا نے لات مار دی اور آپ دو ہفتہ کے لیے ہسپتال میں جا پڑے ۔ "

" پن ہم کیا کرے ؟ تم بولو نا ! اس کا ماں تمہارے کو بوب مانتا ۔ "

" اماں تم تو سچ مچ گھاس کھا گئے ہو ۔ اس کی

ماں سالی کیا کرے گی ؟ ھاں تم کو ماں چاھیے تو . . "

" کیا نکواس کرتا تم ؟ ھارے کو یہ مخول پسند نہیں ۔ "

" ارے بھئی تو میں کیا کروں ؟ میں حود پریشان ہوں ۔ نہ سالی عورت ذات ۔" احسان میاں نے ٹھنڈی سانس بھری ۔ " اچھا سیٹھ مجھے درا کام ہے ۔ "

" بات تو سنو ۔ کیا سالہ آدمی ہے تم ۔ "

"سیٹھ میرا اپوائنٹ میںٹ ہے ۔ مجھے دیو کو آج کہانی سنانا ہے ۔ سائننگ بھی تیار ہے ، بس اگلے مہینے سے شوٹنگ ۔ "

" کیا تم ھارے کو الو بناتا ہے ۔ "

" میں کیا بناؤں گا ، وہ تو حدا کی قدرت دیکھ ھی رہا ہوں ، اپنے ھاتھوں سے بنایا ہے پروردگار نے ! "

" ایں ؟ "

" جانے دیو تم نہ سمجھو گے ۔ "

" ھارے پیسے کا ۔ کیا تم کچھ ارینج میںٹ ؟ "

" ہو جائے گا ، وہ بھی ہو جائے گا ۔ اچھا تو چلوں ۔ تمھاری نظر میں کوئی اچھی سیکنڈ ھینڈ گاڑی ہووے تو . . "

احسان صاحب نے گپ لگائی ۔

" تم گاڑی لیتا ؟ "

" گاڑی کے بغیر بڑی تکلیف ہے ۔ "

" سالا گاڑی کا پیسہ ہے تمہارے پاس تو ہمارا پیسہ کانے کو نہیں دیتا ۔ " احمد بھائی گرم ہو گئے ۔

"ارے بھئی میں تو گاڑی نہیں لے رہا ۔ وہ اپنا دیپ چند ہے نا ، سورج مل کا سالا ، اُسے چاہیے ۔ " احسان صاحب فوراً پلٹ گئے ۔

" ہم سب جانتا ۔ سالہ تم اس کے نام سے اپنا گاڑی لیتا ۔ تم کبھی کس کا نام سے اسٹارٹ کرتا ؟ "

" میرا ایک بھتیجا ہے — وہ "

" کیا تم لوگ چار سو بیسی کرتا ؟ ادھر ایک کمپنی پھٹ ہوتا اُدھر ناٹر توب دو سرا کمپنی چالو کر دیتا ۔ اچھا بیٹا سمجھے گا تم کو ۔ انسالوینسٹ کرا کے دم لے گا ۔

" ارے واہ سیٹھ ! اپن تو چار سال ہوّا انسالوینسٹ ہو گیا ۔ روپیہ تو تم نے غلام رسول کو دیا تھا ، اب میرے سے مانگ رہے ہو ۔"

" تم بولا غلام رسول کا نام ڈالتا ، پن روپیہ ہم دے گا ۔"

" آہہ ! یہ تو وہی مثل ہو گئی : طویلے کی بلا بندر کے سر ۔ لونڈیا کا غصہ مجھ غریب پر اتار رہے ہو ۔ میری مانو تو سیٹھ بادام گھس کے جوارش جالینوس کے سنگ کھاؤ ۔ انشاء اللہ "

" کیا بادام کھاوے ۔ سالہ ہمارے کو جلاب آئے

کو لگا۔ " سیٹھ بڑی حسرت سے بولے تو احسان صاحب کو ہنسی آ گئی۔

" اے سائیسں! کون آلو کا پٹھا سیٹھ کے پیچھے بول رہا ہے؟ نکالو جوتے مار کے۔ اتنا لمبا ٹھاٹ خراب ہو گیا۔ اوہو! آپ ہیں احسان صاحب! معاف کیجیے گا۔ " مگر جب احسان صاحب " کوئی بات نہیں " کہتے ہوئے چلے گئے تو ڈائرکٹر نے جی بھر کے گالیاں دیں۔ " چور رسالے بھر کے۔ مجھے ڈائرکسن دینے کا وعدہ کیا اور کمبخت نے سال بھر دوڑایا، معلوم ہؤا بالکل کڑکا ہے۔ " ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی ڈائرکٹر احسان صاحب کے ساتھ مل کر ساری انڈسٹری والوں کو گالیاں دے رہا تھا"

" ارے صاحب یہ شریفوں کی لائن نہیں۔ یہاں تو بس رنڈیوں اور بھڑووں کی دال گلتی ہے۔ "

جیسے احسان کوئی فرشتہ تھے۔ وہ خود اسی ڈائرکٹر کے بارے میں ہر ایک سے کہتے پھرتے تھے کہ اپنی بیوی کی سفارشوں سے ڈائرکٹر بنا پھرتا ہے۔ اگر ڈائرکٹر نہ بنایا جائے تو موقع بے موقع جو شوہری جتانے پر مصر ہو جاتا ہے۔

ان شوہر یا ڈائرکٹر صاحب کی بھی بڑی لطیف کہانی تھی۔ میاں بیوی اچھے خاصے تعلیم یافتہ طبقے سے تھے۔

ایمچیور تھیٹر میں دل بہلانے کو کام کیا کرتے تھے ۔ نہ جانے کس نے بھڑکا دیا کہ فلم لائن میں جاؤ ، گنگا بہہ رہی ہے ، چنانچہ آ گئے ۔ مختلف دوستوں کے ہاں رہے ۔ آرٹ سے دلچسپی رکھنے والے گروہوں سے ملے ، جہاں کام مل سکتا ہے مگر دام نہیں ۔ بمبئی میں مہمان داری کب تک چلتی؟ لہذا ہاتھ پاؤں مارنے شروع کیے۔ بیوی ہر ایک پروڈیوسر کے پاس جاتیں ۔ میاں کا دکھڑا سنا کر اس کے شانے پر آنسو بہاتیں ۔ چھوٹا موٹا کام مل جاتا ، جسے یہ اپنی کوششوں سے بڑھوا لیتیں ۔ کچھ لوگ کہتے تھے کہ روحانی دوستیاں کرتی ہیں ۔ مگر بھلا فلم انڈسٹری والے بھوت چڑیل میں کب ایمان لانے والے ہیں ؟ اب میاں کو احساسِ کمتری ہو رہا ہے کہ وہ اپنی بیوی کے شوہر کے سوا اور کچھ نہیں مانے جاتے ۔ لہذا وہ اُن سے لڑتے ہیں ۔ جان عذاب میں کر دیتے ہیں۔ جس فلم میں کام کر رہی ہوں اس میں کھنڈت ڈالنے پر تیار ہو جاتے ہیں کہ ان کا سارے اسٹاف سے عشق چل رہا ہے اور وہ ایک سرے سے سب کے جوتے مارنے والے ہیں ۔ بیوی اُن کا نفسیاتی تجزیہ کر کے پھر اپنے افلاطونی مہربانوں کے سینے پر سر رکھ کر روتی ہیں اور جب تک انہیں کام نہ مل جائے وہ اسی طرح دھمکیاں دیتے رہتے ہیں ۔ مگر جب کام مل جاتا ہے تو فوراً ہیروئن

یا سائیڈ ہیروئن سے عشق لڑانے لگتے ہیں ۔ اگر کاسٹ اے ون ہو تو پھر ڈانسر یا سائیڈ ڈانسر ہی پر صبر کر لیتے ہیں ۔ پھر وہ حسد ہی میں جلا کرتی ہیں اور اپنے رومانی دوستوں کے شانے آنسوؤں سے تر کرتی ہیں ۔ اللہ نے ان کی آنکھوں میں آنسوؤں کے کبھی نہ خشک ہونے والے سوتے چھپا دیے ہیں ۔ آج کل ان کے میاں کا عشق سریتا سے بڑی دھوم دھام سے چل رہا ہے ۔ بیگم صاحبہ کو یہی غم کھائے جاتا ہے ۔ اگر سریتا کی جگہ اس وقت کوئی بڑی ہیروئن ہوتی تو ان کی ذلت نہ ہوتی — بلکہ تب تو شاید وہ خود ان پر مرنے لگتیں ۔ تھرڈ کلاس لڑکی پر مرنے میں نقصان ہی نقصان ہیں ۔ فرسٹ کلاس ہیروئن سے معاملہ ہو تو جانو زبردست کی کنجی ہاتھ آ گئی ۔ بڑی سے بڑی دعوت ہو، اگر انہیں بلاوہ نہ آئے تو ہیروئن بھی نہیں جاسکتی ۔ چاہے دس کمپنیاں چالو کر کے پروڈیوسر کے باپ بن جاؤ ۔ جتنا بلیک کا روپیہ ہے وہ تو خیر اپنا ہے ہی، وھائٹ کی بھی کوڑی کوڑی ہضم کر لو ۔ جو وہ کمائی جائے طرح طرح سے اڑاتے ہی جاؤ یا اپنے نام سے جمع کرتے جاؤ ۔ جب بوڑھی ہو جائے تو کوئی نئی چڑیا پھانسو ۔ یہ حسن و عشق کے سین میں گرم سانسیں بھرنے والی صف اول کی ہیروئنیں خشک ریت میں غوطے مارا کرتی ہیں ۔ انہیں دنیا ہوس کی

نگاہوں سے گھورتی ہے پر دل دینے والا کوئی نہیں جڑتا ۔ ایک دفعہ یہ شادی کرلیں تو پھر چنگل سے نہیں نکل سکتیں ۔ جو نکلتی ہیں تو چولھے میں سے نکل کر بھاڑ میں گر جاتی ہیں ۔ تھرڈ کلاس چھوکری ہو تو فنانسر پٹھے پر ہاتھ نہیں رکھنے دیتا ۔ اور سریتا زندگی میں چاہے شعلۂ جوالا ہو ، سکرین پر ٹھنڈی مچھلی ہی لگتی تھی ۔ مگر جس تیسرے نمبر کے پروڈیوسر کا وہ ساتھ دے جاتی ، اسے کچھ نہ کچھ فنانس کہیں سے ضرور دلا دیتی ۔ اس وقت اس کا ڈانس ہو رہا تھا : ایک کیمپ میں وہ ہیرو کو راہِ بد کی طرف لے جانے کے لیے اپنے تمام دھار دار حربے استعمال کر رہی تھی ۔ کیمپ میں حقّہ چل رہا تھا اور وہ سب کے پاس دوڑ دوڑ کر اینڈ رہی تھی ، ہونٹ کاٹ کاٹ کر چھاتیاں تھرکا رہی تھی ، مگر یہ ساری حرکتیں سیٹ پر بیٹھے ہوئے ایکسٹرا آرٹسٹوں کے لیے بالکل مشین کی کھٹ کھٹ بن چکی تھیں ۔ کسی کے جذبات برانگیختہ نہیں ہو رہے تھے ۔ مشینوں کے ساتھ کام کرتے کرتے انسان بھی مشین بن جاتا ہے ۔ شدید گرمی ، دھول ، پگھلتا ہوا میک اپ — اور پھر مفت کام کرنے کی وجہ سے دل بجھے ہوئے تھے اور سارے جذبے سو گئے تھے ۔ کیونکہ سارے آرٹسٹ اس فلم میں اس شرط پر کام کر رہے تھے کہ جب فلم ریلیز ہوگی ، تب پیمنٹ ہوگا ۔

مگر لوگ گندے مذاق کر رہے تھے۔ سرِتا کا سکرٹ خوب گھیر دار تھا۔ جب وہ لٹو کی طرح چکریاں لیتی تو اس کا گھیرے گلابی رنگ کا جانگیا خطرے کی جھنڈی سی کر چمک جاتا۔ اسسٹنٹ کیمرے کے پیچھے بیٹھا کلیپر پر شوٹ نمبر اور تاریخ وغیرہ ڈال رہا تھا۔ ہیئر ڈریسر لسی پینے کے بعد اب پان کھا رہی تھی، تاکہ فائینل ریہرسل سے پہلے ہیئر پن اور وِدور نکال کر بال جما دے۔ پروڈیوسر کا خون سب پر حلال ہے۔ چاہے سین میں بال بکھیرے ہی کیوں نہ ہوں، ہیئر ڈریسر بلوائی جاتی ہے۔ اور چونکہ نرگس اور مدھو بالا کی ہیئرڈریسر ہے، اس لیے ہر دو پیسے کی چھوکری پہلے ہیئر ڈریسر بلواتی ہے، جو بال کم بناتی ہے، اس کی آیا گیری زیادہ کرتی ہے۔ ساری انڈسٹری کی حجرِس نائی کی طرح آسے معلوم ہوتی ہیں۔ جتنی سر چڑھی ہیروئن ہوگی، اتنی ہی بد دماغ اس کی ہیئر ڈریسر ہوگی، کیونکہ وہ اس کی ہم راز اور پیغامبر بھی ہوتی ہے۔ وہ عشق چلواتی ہے، چٹھی پتر لے جاتی ہے۔ ہیروئن کو روپیہ ڈھالنے کی مشین سمجھنے والے رشتہ داروں، ماؤں، نانیوں اور شوہروں کے دُکھڑے سنتی ہے اور اس کے ساتھ باتھ روم تک جاتی ہے۔ اسسٹنٹوں کو یوں اکڑوں محوِ نظارہ دیکھ کر ڈائرکٹر صاحب نے بھی جھک کر دیکھا اور جانگیے کی چمک دمک دیکھ کر

چراغ پا ہو گیے ۔

" میرے سیٹ پر یہ بیہودگیاں نہیں چلیں گی ۔" وہ بری طرح گرجے ۔ " بیٹھے گدھوں کی طرح دیکھ رہے ہیں ۔ سنسر ایک دم یہ شارٹ اڑا دے گا ۔ جاؤ اسے لمبا انڈر ویئر پہناؤ ۔"

سریتا کو جب معلوم ہؤا تو اداس ہوگئی ۔

مگر اسسٹنٹ سفارش کرنے لگے ۔ فلاں فلم میں تو اس سے بھی چھوٹا ہے اور بالکل جسم کی کھال کی رنگت کا ہے ، چھوکری بالکل ننگی دکھائی پڑتی ہے ۔ ڈائرکٹر چڑ گیا ۔ اسے معلوم تھا کہ وہ بالکل ننگی دکھائی پڑتی چھوکری کی فلم سنسر والوں کی قینچی سے کیوں کر بچ گئی تھی ۔ وہ پروڈیوسر ہمیشہ انتہائی قابل اعتراض چیزیں اپنی فلم میں بچا لے جاتا تھا ۔ جس کی پہنچ ہو وہ سب کچھ رکھ سکتا ہے اور سنسر کی قینچی کترا کر نکل جاتی ہے ، ایک فریم نہیں کٹتا ۔ مصیبت ان چھوٹے چھوٹے پروڈیوسروں کی ہے ۔ لفافہ قسم کے پروڈیوسر ، جو سنسر کی قینچی سے ایسے لرزتے ہیں جیسے بچھیا قصائی کی چھری سے ۔ اور چھری بھی کیسی کہ اندھے سانڈ کے سینگ ، جہاں جی چاہا بھونک دے ۔ کیسا بھیانک نظارہ ہوتا ہے ۔ اندر سنسر ٹرائل ہو رہا ہے باہر پروڈیوسر کو ڈائریا ۔ مہینہ بھر سے ایڈیٹنگ کے چکر میں سر پیر کا ہوش نہیں رہا ۔ کب فلم ختم ہوگی ؟

کسی کا پورا پیسہ نہیں چکایا ۔ ہاتھ پیرجوڑ کر، بیوی بچوں کو پیروں میں ڈال کر کسی طرح فلم ٹھوک دی ۔ سوائے ایڈیٹر کے اور ڈائرکٹر کے اور ان دونوں اسسٹنٹوں کے سب کا کام ختم ہو گیا ۔ دلچسپی ختم ہو گئی ۔ اُدھر ڈسٹری بیوٹر سولی پر چڑھائے دے رہا ہے ۔ جدا جدا کر کے ایڈیٹنگ ختم ہوئی ، ادھر ادھر سے مانگ تانگ کر بیک گراؤنڈ میوزک ڈالا اور میت سجا کر سنسر کے آگے رکھ دی ۔ جانو پٹی سڈپ میں اٹھا دی ہے ۔ ایگزبٹر دھمکیاں دے رہا ہے کہ پکچر دو ، ورنہ ایڈوانس ھضم ۔ اس پر پروڈیوسر دم گھونٹ رہا ہے کہ مقررہ ڈیٹ پر ڈلیوری نہیں دی تو دام واپس کر دو ۔ کرمنل کیس کر دیا جائے گا ۔ اُدھر پچھلی فلاپ فلم کے قرض دار گردن پر سوار ھیں کہ اگر ایک بوند بھی ٹپکے تو لپک لیں — اور سنسر کے بھاری ہاتھوں میں نشتر تولے لاش پر جھکے ہوئے ہیں ۔

قسمت کا فیصلہ ہو جاتا ہے ۔ صرف تین ہزار فٹ فلم کاٹی گئی ۔ دو گانے سورگ باش ہوئے ۔ تین گانے بری طرح زخمی کہ شاید پلاسٹک سرجری سے سسکتے رہ جائیں ۔ بیچ بیچ میں سے ڈائلاگ اور الفاظ اُچک لیے گئے ۔

لیجیے فلم سنسر ہو گئی ۔ بہت لڑے تو بالکل چھاڑی والوں جیسا سودا پٹ گیا : ہمارا نہ تمھارا ، بس آدھا آدھا ۔ یعنی

فلم صرف ڈیڑھ ھزار وٹ کٹی۔ آگے پھر مورچہ تیار کیا ، دلی لڑے چلے ۔ اس کمیٹی کو دکھایا ، اُس کمیٹی کو دکھایا ۔ اب یا تو ایک دم فلم کوری نکل آئی ، صرف دو چار سو فٹ معمول چیرس نکل گئیں ، فلم پاس ھو گئی ۔ اور اگر روائزنگ کمیٹی میں کوئی حبات قسم کے صاحب ہوئے تو فلم بالکل ایک سرے سے بین ھو گئی ۔ کوئی بھروسہ نہیں سنسر کا ۔ سب کسی اندھی قدرت کے ھاتھ میں ھے ۔ تیر نہیں تو تکا تو ھے ھی ۔ کبھی تو معلوم ھوگا فلاں پکچر بین ھو گئی — اور پھر خبر آئے گی کہ آپسے تو پرسیڈنٹ اوارڈ ملتے ملتے بچ گیا اور بہت سے فلمی میلوں میں انعامات لیے جا رھی ھے ۔

” مجھے گرمی لگتی ھے ۔ “ سریتا دیوی جانگیہ بدلنے پر تیار نہیں تھیں ۔ وہ سیٹ پر بیٹھے ہوئے لوگوں کے چہروں پر کھلتی ہوئی کہکساں دیکھ رھی تھیں ۔ جب ان لوگوں کی اُوپر کی سانس اُوپر ، نیچے کی نیچے رہ جاتی ھے تو پبلک کا کیا ھوگا ؟ ختم ھی تو ھو جائے گی ! یہ ڈائرکٹر لوگ اُن کے دشمن تھے ۔ اُن کی سیکس اپیل کو جان بوجھ کر ضائع کر دیتے تھے ۔ بات یہ تھی کہ اُن دنوں سریتا بائی اس بے دردی سے سنسر والوں کے ھاتھوں کٹنے لگی تھیں کہ ڈائرکٹر انہیں فلم کے حق میں زہرِ قاتل سمجھتے ، اور پبلک کا

یہ حال تھا کہ اگر ایک شاٹ بھی ان کا کولھے مارے کا ، کندھا مارے کا یا ھھر ھھری لے کر ھونٹ چبائے کا نطر آ حاتا تو دیوانے ھو کر وھیں لوٹ حاتے ۔ وہ فلم عموماً ہٹ ھو حای ۔ ان کے سینے کی ایک تھرتھراھٹ دیکھنے کے لیے لوگ لاکھوں نچھاور کر دیتے ۔

" احھا نو آح کا۔ر شاٹ ھو حانے دو ۔ " ڈائرکٹر ٹال گیا ۔

کلور شاٹ میں درا بیچھے کیمرہ رکھا تو وہ کچھ ایسے گھس کر اور آگے کو حسم پھینک کر کھڑی ھوئیں کہ کیمرہ میں سر ھلانے لگا ۔

" بھی چلے گا ۔ "

" اماں کیا بھی چلے گا ؟ " ڈائرکٹر چڑ گیا ۔

" دیکھیے پہلے — پھر بولیے گا — میرا کیا ھے ؟ مگر سوچ لیجیے ۔ "

" آف ! درا پیچھے ھٹو ۔" کیمرے میں جھانک کر بولا ، درا لیفٹ کو — بس بس — تھوڑا رائٹ — بس — ھیں ؟ " ڈائرکٹر نے کیمرہ میں کو دیکھا — پھر اسسٹنٹ کو دیکھا — پھر سریتا بائی کو دیکھا اور احمقوں کی طرح سر کھجانے لگا ۔

" لائٹ آف ۔" روشنیاں بند کر دی گئیں ، میک اپ

معصومہ

میں کو بلایا گیا ۔

" صاحب مجھے کچھ نہیں معلوم ، ڈریس والے سے پوچھیے ۔" میک اپ میں نے کہا ۔

" صاحب وہ بات نہ ہے : میں نے بہت روکا ، وہ مانیں ہی نہیں ۔ "

" کیا مطلب ؟ "

" وہ قمر ہے نا — وہ لے گئیں ۔ "

" تو پھر ؟ ابھی پراپرٹی میں نہیں ؟ "

" ہیں صاحب ، وہی تو ہیں — وہ " سیرِ پرستان" والے لے گئے تھے ۔ اُن کے یہاں سے بدل کر دو سائز کے آ گئے ۔ شوٹنگ کے بعد کل گیا تھا ، انہوں نے کہا : کہیں پراپرٹی میں پڑے ہیں ، پھر بدل لے جانا ۔"

" مگر یہ دو سائز کے تو نہیں چلیں گے ۔ " ڈائرکٹر اڑ گیا ۔

"اچھا بھئی بیک شاٹ لے لو ۔" پروڈیوسر نے خوشامد کی ۔

" میک اپ ! " سریتا بائی بیک شاٹ کے لیے تیاری کرنے لگیں

نیلوفر ، جو کبھی معصومہ بانو تھی ، جو گڑیوں سے

کھیلتی تھی اور اندھیرے سے ڈرتی تھی ، ہر برسات میں نیم کے پیڑ میں جھولا ڈال کر لمبے لمبے پینگ لیا کرتی تھی ، جسے بہت سے شعر یاد تھے اور بیت بازی میں ہمیشہ اسی کی پارٹی جیتا کرتی تھی ، جب ڈرامہ میں اوفیلیہ کا کردار ادا کیا تھا تو سارے اسکول کی آنکھوں سے آنسوؤں کی دھاریں بہنے لگی تھیں ۔

اسے شیلے سے عشق تھا اور کیٹس پر دم جاتا تھا ۔ بائرن کے نام پر دل دھڑکنے لگتا تھا ۔ انہیں جتنا کچھ پڑھا اور سمجھا تھا ، اسی پر دل دیے بیٹھی تھی ۔ باوا کہتے تھے ، چھوما کو ولایت بھیجیں گے ۔ سینیر کیمبرج کر لیتی تو پھر کیا تھا !

مگر یہ خواب تھے — بڑے بڑے جاندار خواب — جن میں اب بھی معصومہ بانو الجھی معلق لٹک رہی تھی ۔ مگر نیلوفر اس جال سے پھسل آئی تھی ۔ وہ زیادہ تر چاکولیٹ اور ٹافیاں چبایا کرتی ۔ چیختے چنگھاڑتے رمبا سمبا کے ریکارڈ لگا کر ڈنلو پلو کے موٹے گدوں پر پڑی تھرکا کرتی ۔ اس کے ارد گرد " ٹرو سٹوری " ، " ٹرو رومانس " اور مختلف قسم کی لڑکیوں کے کمیشن پڑے رہتے ۔ اس کا دبلا پتلا جسم بڑی تیزی سے بھرتا جا رہا تھا ۔

" یہ کیا طریقہ ہے ؟ " بیگم نے اس کے سگے کولھے

پر تھپڑ لگایا ۔

" اوں ہمیں گرمی لگتی ہے ۔" اوندھے پڑے پڑے اُس نے تکلفاً ذرا چادر اپنے اوپر گھسیٹ لی اور ایک موٹا سا چاکولیٹ چبانے لگی ۔ پڑوس کے بچے اگاسی کی طرف کھلنے والی کھڑکی سے جھانک رہے تھے ۔ ابھی بیگم نے سب کو اُدھر سے مار کر ہنکایا تھا ۔

" تو اب کیا ارادہ ہے ؟ " اُنھوں نے ایک کرسی پر سے بلاؤز اور اُلجھی ہوئی ساڑھیوں کا ڈھیر پلنگ پر پھینک کر جگہ بنائی اور ٹھس سے بیٹھ گئیں ۔ ادھر چند مہینوں میں کچھ اور گوشت چڑھ آیا تھا ۔

" پنجگنی سے آج آخری نوٹس آیا ہے ۔"

" روپے نہیں بھیجے آپ نے ؟ "

" کہاں سے بھیج دیتی ۔ یہ تیسرا مہینہ ناغہ ہؤا ہے ۔"

" کاہے کا ؟ " نیلوفر نے کھوئے ہوئے انداز سے یونہی کہہ دیا ۔ وہ کہانی کے از حد دلچسپ حصہ پر پہنچ چکی تھی ۔ وہ شخص ، جس نے کہانی کی ہیروئن کو خراب کر کے اُس کے بچہ پیدا کروا دیا تھا ، اب اُس کا ضمیر ملامت کر رہا تھا اور کوئی دم میں وہ آسے اپنی مضبوط باہوں میں لے کر شادی کا وعدہ کرنے والا تھا ۔

" میں کہتی ہوں آگ لگے ان کتابوں کو۔ " انہوں نے کتاب چھپانا چاہی، مگر نیلوفر نے جھٹ سے چادر کے اندر چھپا لی اور ہنسنے لگی۔

" بے شرم کہیں کی۔ ہر وقت گندی گندی کتابیں پڑھتی رہتی ہے۔ انہوں نے تو تجھے کوئی کام کا نہیں رکھا۔ قسم سے ایک دن سب کو اکٹھا کر کے آگ لگا دوں گی۔ "

" اوں بھئی کیوں؟ "

" کیوں کی بچی۔ کبھی یہ بھی سوچا ہے کہ احمد بھائی ہاتھ سے نکل گیا تو پھر کیا ہوگا؟ "

نیلوفر احمقوں کی طرح ہنس دی۔ سوچنا اس نے عرصہ ہؤا چھوڑ دیا تھا۔

" تو ہم کیا کریں؟ "

" یہ تو پرسوں ورسووا کس کے ساتھ گئی تھی؟ "

" کسی کے ساتھ بھی نہیں۔ "

" اور اوپر سے جھوٹ بولتی ہے! " بیگم نے جھونٹے پکڑ کر اس کا منہ اپنی طرف موڑا، نیلوفر ایک جھٹکا مار کر چھوٹ گئی۔ احمد بھائی سے کشتیاں لڑ لڑ کر اسے نئے نئے پینترے آ گئے تھے۔

" سوہر کے ساتھ اور کس کے ساتھ۔ " اس نے ہاتھ اونچے کر کے بال سمیٹے تو چادر چھوٹ گئی۔ بیگم کو

اس کی بے حیائی پر غصہ آ گیا ۔ ڈر کر اس نے ڈریسنگ گاؤن گھسیٹ کر اوڑھ لیا ۔

" شرم نہیں آتی ۔ رنڈیوں کی طرح ہر کسی کے ساتھ چل دیتی ہے ۔" بیگم آسے احمد بھائی پر رحم کھانے کی نصیحت کرنے آئی نہیں ، مگر سوھر کے ساتھ اس کا جانا آوارگی کا شوق تھا ! سوھر ، جو ابھی سکنڈ انئر میں پڑھتا تھا ، پڑوس کے ایک ماسٹر جی کا آوارہ لونڈا تھا اور ہر وقت کھڑکی میں سے نیلوفر کو اشارے کیا کرتا تھا ۔

عجب ستم ظریفی تھی نیلوفر کی ۔ وہ کچھ اس سے چھوٹا ہی ہوگا ۔ دبلا پتلا ، پھرتیلا سا لڑکا ۔ میدان میں کرکٹ کی مشق کرتے وقت وہ نیلوفر کو دیکھتے ہی مردانگی دکھانے لگتا ۔

اس کے کمرے کی کھڑکی نیلوفر کے کمرے کے ساتھ تھی ۔ عموماً اس کے پردے دروازے پر موڑ کر ڈال دیا کرتی تھی ۔ وہ بظاہر کتاب لے کر سامنے بیٹھا رہتا اور نیلوفر اپنے کمرے میں آزادی سے چہل قدمی کیا کرتی ۔ سوھر منہ پھاڑے دیکھتا رہتا اور کتاب اس کے ہاتھ سے نیچے گر جاتی ، تب بھی اسے ہوش نہ آتا ۔

ایک دن اس نے جان بوجھ کر اپنا چاندی کے دستے والا برش کھڑکی سے گرا دیا اور جھک کر دیکھنے

لگی ۔ منوہر تیر کی طرح تین تین سیڑھیاں پھلانگتا دوڑا ۔ برش لے کر وہ جب نیلوفر کے کمرے میں آیا تو بیگم کہیں پڑوس میں گئی ہوئی تھیں۔ وہی دروازہ کھلا چھوڑ گئی تھیں۔

وہ لوٹیں تو نیلوفر کے کمرے کا دروازہ بھاڑ کی طرح کھلا تھا اور چیخے نکل رہے تھے ۔ انہوں نے وہی برش لے کر منوہر کے کولھوں پر جو کس کس کر جمایا تو وہ بھاگا دم دبا کر ۔ مارے ہنسی کے نیلوفر کو اچھو لگ گیا ۔ کس قدر مضحکہ خیز نظارہ تھا کہ ہنسی روکے نہ رکتی تھی۔ بیگم کی آنکھوں میں خون اتر آیا ۔ وہی برش لے کر وہ لپکیں ، مگر ایک چھلانگ مار کر وہ کھڑکی میں جا کھڑی ہوئی ۔ وہ جانتی تھیں کہ اگر وہ آگے بڑھیں تو اسی وحشی جوڑے میں وہ دھم سے پڑوس کی چھت پر کود پڑے گی ۔ لوگوں کو ویسے ہی ان کے چال چلن پر اعتراض ہونے لگا تھا ، مگر زیادہ نہیں ، کیونکہ فلمی علاقہ تھا ، جہاں آئے دن ہو حق مچا رہتا تھا ۔ لاچار ہو کر وہ سر پکڑ کر کرسی پر گر پڑیں اور منہ ڈھانپ کر رونے لگیں ۔

مگر جب نیلوفر دھم دھم پیر پٹختی غسل خانے میں جانے لگی تو وہ سب کچھ بھول کر اس فکر سے پریشان ہو گئیں کہ یہ کوئی کپڑا ڈھنگ سے نہیں پہنتی ، گوشت بڑھتا جا رہا ہے ۔ یہی حال رہا تو کچھ ہی دنوں میں ڈھل جائے

گی ۔ وہ کتنی تیز رفتار سے عقل مند ہو رہی تھیں ۔ بدی کتنی جلدی اور آسانی سے انسان میں رچ جاتی ہے ۔ نیکی کی تلقین کے لیے بڑے بڑے اوتار اور پیغمبر سر پٹک کر جان سے ہاتھ دھو بیٹھے اور ہار گئے ۔ بدی دلچسپ ہے ، ھنگامہ خیز ہے ' نیکی کٹھن لوہے کے چنے چبانے کی طرح ہے ۔ ساری عمر کی تربیت رانگے کی قلعی کی طرح دو چار تاؤ لگنے سے اتر گئی ۔

مگر بے چاری نیکی کا اس میں قصور تھا نہ بدی کا ۔ سلمیٰ وہ ماحول تھا جس میں بیگم پلی تھیں ۔ روزے بھی تھے ، نمازیں بھی تھیں ، حج اور زکواۃ بھی — مگر اس کے ساتھ ساتھ چھپ کر رنڈی بازی اور حرام کاری تھی ۔ دنیا کی نظر سے چھپا کر جو عیب کیے جائیں اس سے اور کوئی نہیں مگر اولاد تو واقف رہتی ہی ہے ۔ حضور اعلا کی کتنی بیویاں ، باندیاں ، داشتائیں تھیں ۔ کیا سب کو ہوش رکھنا ان کے بس کی بات تھی ؟ مگر سب ہی زندہ تھیں اور انسان تھیں ۔ صاحب زادیوں کی بھی شادیاں نہیں ہوئیں ۔ کیا وہ سب کی سب کنواری تھیں ؟ جو اس بڑھاپے میں سال میں کتنے ہی بچے ہوتے تھے ، کیا اُن کی ماؤں کے علاوہ کسی دوسرے کو اُن کے باپوں کا پتہ نہیں معلوم تھا ؟

۔ یہ اعلاحضرت کی دانش مندی تھی یا پیدائشی

کمعوسی کہ حال ھی میں اسٹیٹ گزٹ میں اعلان فرما دیا کہ اب ھم بہت ضعیف ھو چکے ھیں ، لہذا آئندہ محل میں جو بچے پیدا ھوں وہ ھمارے نہ تصور کیے جائیں۔

جاگیرداری نظام کی تمام لعنتیں سوئی پڑی تھیں ۔ فاقوں اور عزت نے اُنھیں رگوں میں پھر زندہ کر دیا ۔ اگر بیگم درمیانہ طبقے کی کمزوریوں میں جکڑی ھوتیں تو جانے بیٹی کا سودا کرنے کے سلائی کر کے پیٹ پالتیں ۔ لڑکی کو کسی اسکول میں چھوٹی موٹی نوکری مل جاتی ۔ روکھی سوکھی میں گزر کرتیں تو زیور ھی کئی سال ساتھ دے جاتا ، مگر تنگی ترشی کی نہ تو اُنھیں عادت تھی اور نہ ھی کبھی کسی کو کرتے دیکھا ۔ ھاں لڑکیوں کے سودے تو پشتوں سے ھوتے چلے آئے تھے ۔ اُن کی جوان خالہ بڈھے پھوس نواب قمرالدین کو پیسے کی خاطر بیاھی گئی تھیں ۔ کھلے بندوں اُن کا سول سرجن صاحب سے تعلق تھا ۔ خود اُن کی بڑی کے شوھر نے ایک میم سے شادی کر لی تھی ۔ اس کا غم وہ ایک شاعر کی آغوش میں غلط کرتی تھیں ۔ عزت اور شرافت کا پیمانہ تھا دولت اور مرتبہ !

تو پھر وہ کون سا ایسا پاپ کر رھی تھیں جو انھیں ندامت ھوتی ۔ پھر بمبئی میں کون پوچھتا ھے کہ تم کون ھو ؟ کیا ذریعۂ معاش ھے ؟ کون اپنے گریباں میں منہ ڈال

کر کہہ سکتا ہے کہ وہ اچھوتا انسان ہے ، جس نے کبھی کونلوں کی دلالی نہیں کی !

بیگم کو معلوم تھا نیلوفر چھپ کر منوہر سے ملتی ہے ۔ اُسے لیے لیے پھرتی ہے ۔ اس پر پیسے خرچ کرتی ہے ۔ ڈھلتی عمر میں اگر اُسے یہ لت ہو جاتی تو ایک بات بھی تھی ، مگر چڑھتی جوانی میں تو کسی کو یوں بچوں کے ساتھ کھیلتے نہیں دیکھا ۔

جب وہ اندر سے کمر بند باندھتی نکلی تو انہوں نے پھر اس کی ٹانگ لی ۔

" منوہر سے شادی کر لوں گی ۔ "

جیسے بیگم کو سانپ نے ڈس لیا ۔

" شادی کر لو گی — اور کھاؤ گی کیا ؟ اُس کے باوا کا سر ؟ کچھ دماغ خراب ہؤا ہے !"

گھنٹوں چیخ چیخ ہوتی رہی ۔ بیگم روئیں ، پھر نیلوفر روئی ، پھر بیگم کے آنسو جیت گئے اور نیلوفر نے وعدہ کر لیا کہ اب وہ منوہر سے نہیں ملے ۔ مگر بیگم کے دل میں دگدا لگا ہؤا تھا ۔ وہ ڈاکٹر صاحب کے ہاں اپنی سوجی ہوئی داڑھ کے لیے دوا لینے گئیں تو وہیں اشارتاً کہہ دیا :

" یہ آپ کا پڑھتا لکھتا نہیں ، میری لڑکی کا بھی وقت خراب کرتا ہے ۔ کچھ کیجیے ۔" اور انہوں نے ایسے شو لا پور

پارسل کر دیا ۔

نیلوفر مسہ پھلائے ، دروازہ بند کیے پڑی رہی ۔ احمد بھائی بھنڈی بازار سے نان کباب لے کر آئے مگر اس نے دروازہ نہیں کھولا ۔ اتفاق سے اس دن بھولے بھٹکے احسان صاحب بھی آ نکلے ۔ احمد بھائی کو دیکھ کر الٹے پاؤں لوٹنے والے تھے ، مگر پکڑے گئے ۔

احمد بھائی جلے ہوئے تو تھے ہی ، تھوڑی دیر میں ہی دونوں میں گالی گلوچ ہونے لگی ، مگر کھل کر نہیں ۔ جب بیگم اٹھ کر ادھر آدھر جاتیں ، وہ فوراً الجھنے لگتے :

" تم ہمارے کو کس لفڑے میں پھسایا سالہ ۔ ادھر پکچر میں ڈبہ گول کیا ، آدھر ... "

" بات کیا ہے سیٹھ ؟ حکیم جی کے پاس پھر گئے تھے؟ "

" گولی مارو سالہ حکیم کو ۔ او بھی ہم کو لوٹا ۔ تم سالہ سب چور ہے ۔ "

" دیکھو میاں لڑکی دو باتوں سے رام ہوتی ہے ۔ دونوں کا پترا ہو جائے تو "

" تم کیا بولتا ؟ ہم کچھ نہیں سمجھا ۔ "

" صاف بات سنا چاہتے ہو تو بھئی لڑکی کو یا تو پیار دو کہ تمھارے لیے دیوانی ہو جائے یا کپڑا لتا ، زیور ۔ "

" پیار ہم تھوڑا کیا ؟ " احمد بھائی کا گلا بھر آیا ۔

" مگر ادھر کئی مہینے سے تم نے ہاتھ دبا رکھا ہے۔ بیگم بڑی پریشان ہیں۔ سنا ہے رگوناتھ سے زیور پر روپیہ لے کر بچوں کو بھیجا۔ رگوناتھ کے چنگل سے زیور نکلنا آسان نہیں۔"

" سالہ تم ہم کو کیا سمجھتا ہے؟ ہم پیسہ دیوے اور چھوکری ہم کو لات مارے؟"

اتنے میں بیگم آ گئیں غسل خانے سے، فوراً احسان صاحب ہانکنے لگے:

" سی۔ پی۔ سی۔ آئی کے جواہر لال ستر دے رہا ہے۔ میں نے کہہ دیا لاکھ سے کم نہیں ہو گا۔ غرض بڑے پکچر لو ورنہ مجھے ڈسٹری بیوٹر کا توڑا نہیں۔ اصل میں خود اپنا ڈسٹری بیوشن آفس کھولنے کا ارادہ ہے۔ سورج مل سے میری بات ہو چکی ہے۔"

احمد بھائی کا خون کھول رہا تھا۔ انہیں اچھی طرح معلوم تھا، بیگم کو بھی معلوم تھا، احسان صاحب سو فی صدی ہانک رہے ہیں۔ اس وقت ان کی جیب میں دو پیالی چائے کے پیسے مشکل سے نکلیں گے۔ لوکل ٹرین کا پاس بنوا لیا ہے، اسی کا رعب جھاڑتے پھرتے ہیں۔ بار بار جیب سے رومال کے ساتھ فرسٹ کلاس کا پاس نکل آتا ہے۔ ہر مہینے بڑی چال سے ری نیو کرا لیتے ہیں۔

"ارے بھئی ذرا پندرہ روپے دینا ، میرے پاس کی ڈیٹ نکلی جا رہی ہے۔"

اتنی بڑی انڈسٹری ہے ، اور کوئی نہیں تو وہ غریب ایکسٹرا ہی پندرہ روپیہ دے مرتا ہے جسے یہ فلم میں رسک رول دینے کا پکا وعدہ کر چکے ہیں۔ اور نہ جانے کون جانے یہ پروڈیوسر کی ذات بڑی پراسرار ہوتی ہے۔ آج کوڑی کوڑی کو محتاج در در کی ٹھوکریں کھا رہے ہیں ، کل کوئی ایسا بلیک کا پیسہ وہائیٹ کرنے والا مل جائے یا کسی ہیرو یا ہیروئن کو رحم آ جائے اور وہ گارنٹی دے دے — یہ پھر کھٹ سے کھڑے ہو جائیں۔ جیسے نیم مردہ چوہیا کو گوبر سنگھاؤ تو جی اٹھتی ہے ، بالکل انہیں بھی کسی بھولے بھٹکے سہارے کی ضرورت ہے۔ ویسے یہ کتنی بار مرے ہیں اور کتنی بار جی اٹھے ہیں۔ اگر بیوی نہ بھاگتیں تو بے چارے یوں سنکی نہ ہو جاتے۔

بیگم چائے کی پتی لینے پڑوس گئیں تو پھر احمد بھائی گرجے:

" کیا بکواس لگائے ہو جی۔ ہم سب جانتا۔ سورج مل سالہ ایک دم موالی۔"

" موالی ہے سیٹھ ، مگر دل کا چھوٹا نہیں۔"

" دیکھو ہم بول دیا — ہم ایک کوڑی کا دیوال نہیں۔ چھوکری ہمارے سے بات نہیں کرتا۔"

احسان صاحب نے عجیب اندر سے قہقہہ لگایا کہ احمد بھائی کے پسینے چھوٹ گئے ۔

" کیا سالہ تم پکا چار سو بیس ہے ۔ ھمارے کو ..."

بیگم پتی لے کر آ گئیں تو جلدی سے احسان بولے :

" اچھا تو میں چلتا ہوں ۔ ذرا ابرار علوی کے ساتھ کہانی پر بیٹھنا ہے ۔" عموماً وہ جو منہ میں آتا کہہ جاتے تھے ۔ انہیں یہ بھی یاد نہیں رہتا تھا کہ کل وہ بیدی کے ساتھ کہانی پر بیٹھ رہے تھے ۔ آج دھن سے اتر گیا تو علوی کے ساتھ بیٹھ گئے ۔ بیگم جانتی تھیں سب کچھ ، مگر انہیں کیا ضرورت پڑی تھی کریدنے کی ۔ وہ حال ہی میں بار بار کہہ رہے تھے ۔

" اپنی بیلوور کیسی رہے گی ڈانسر کے رول میں ؟ "

بیگم بھی سوچتی تھیں ۔ لڑکی کو فلم میں کام مل جائے تو یہ دلدر دور ہوں ۔ انڈسٹری والوں نے تو انہیں جیسے پیشہ ور ہی سمجھ لیا تھا ۔ جب سے احمد بھائی نے ہاتھ کھینچا تھا ، سسک سسک کر دیتے تھے ، وہ اسٹوڈیو کے چکر لگانے لگی تھیں ۔

" بیبی کو تو بس آپ کی فلم میں کام کرنے کا شوق ہے ۔ پیسے کی اسے بالکل پروا نہیں ۔ اس دن محبوب صاحب کا آدمی آیا تھا کہ بلایا ہے ۔ رنگ رول ہے ۔ کہنے لگی :

'نہیں - وہاں کُم کُم ہے -' ایسے میں کہتی ہوں کُم کُم بھی کوئی ڈانسر ہے ؟ توبہ ! آپ نے بی بی کا ڈانس نہیں دیکھا - آپ تو کبھی آئے ہی نہیں - آئیے نا ہمارے ہاں ایک دن -''
بیگم اٹھلاتیں اور بے چارہ نیا پروڈیوسر پھول جاتا - حالانکہ وہ خوب سمجھتا تھا کہ بیگم سو فی صدی مسکہ مار رہی ہے - اگر اس کی بیبی کو رول دے دیا تو دو تین دن کی شوٹنگ کے بعد ہی پیر نکالنے لگے گی - بے چارہ پروڈیوسر مفت کام کے رگڑے میں آ کر ادھر اُدھر اس پر خرچ کرنے لگتا ہے - مفت کام کر رہی ہے ، چلو کیا حرج ہے اگر پانچ چھ لسی کے گلاس ، آملیٹ اور توس ناشتے میں بیگم کے دوست کھا پی لیتے ہیں - کھانا وہ صرف کوالٹی سے مرغی آئے تب ہی کھا سکتی ہے - ساتھ ٹکڑ گدے تو ان لوگوں کے لگے ہی رہتے ہیں - مفت کام کر رہی ہے ، کپڑے بھی فلم میں اپنے ہی پہنے گی ، تو کیا ہوا جو دو چار سو کے کپڑے بنوا دیے ؟

دو ساڑھیاں لکھنؤ کی چکن کی بیگم کو پسند آ گئیں - چلو دلوا دو ، دس پندرہ ہزار دینا پڑتے اگر اس جگہ کوئی دوسری ڈانسر ہوتی - یو - پی ، دلی والا کہتا تھا پدمنی کو لیجیے - آج ذرا بیلوو کے گھر دعوت ہو جائے - دو چار بوتلوں کا ہی خرچہ ہے نا ! پرس تو پھر پکی سمجھو -

کسی کو کیا معلوم کن کن راهوں سے گزرنا پڑتا هے ان چھوٹے چھوٹے چھاڑی ڈھونے والوں کو ۔ انھیں جان بوجھ کر مکھی نگلنا پڑتی هے ۔ مثلاً وہ جانتے هیں کہ بیگم کے میلے کے مفت کام کرنے والے اور بھی مہنگے پڑیں گے ۔ کیونکہ بیگم جو کچھ لیں گی اس کی رسید تو دیں گی نہیں ۔ اور جب کٹنی بیوٹی شروع هو جائے گی پھر یہی بیگم ، جو آج دوڑ دوڑ کر آتی هیں ، دو گھنٹہ بٹھائیں گی ، تب کہیں بات کرنے کو آئیں گی ۔

” بیبی کا جی اچھا نہیں ۔ “ اور تب تک بیبی کا جی اچھا نہ هو گا جب تک ہزار پانچ سو ان کے اوپر نہ چڑھائے جائیں گے ۔ چڑھاوا لے کر بھی وہ نخرہ کریں گی :

” مفت گیسٹ آرٹسٹ کے طور پر کام کر رهے هیں هم ۔“

مگر دوسرے پروڈیوسروں سے کہیں گی :

” انہوں نے پندرہ ہزار دیے هیں ۔ میری بیبی تو ان روپوں کو جوتی کی نوک سے بھی نہیں چھوتی ۔ مگر کیا کروں ، پیچھے پڑ گئے ۔ بس یہ رول تو تمہارے سوا کوئی کر هی نہیں سکتا ۔ پھر کرنا پڑا ۔ ورنہ کمل رانے تو اسے کشور کمار کے ساتھ لے رهے تھے ۔ میں نے کہہ دیا : مجھے کشور کمار بالکل نہیں بھاتا ۔ کیا بندر کی طرح اچھلتا هے ..“

کتنی مزے کی بات هے کہ جھوٹ ھانکنے والا جانتا

ہے سنے والے کو علم ہے کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے ۔ پھر بھی یہ جھوٹ بیوپار کے ہتکھنڈے ہیں ۔ آدھی کامیابی تو اس آرٹ کی بدولت ہی مل جاتی ہے ۔

اس کے علاوہ اب لوگ یہ بھی جان گئے تھے کہ بیگم نیلوفر کے عاشقوں کو جلانے کے لیے ایسے یوں مفت کام کرواتی ہیں ، تاکہ اگر احمد بھائی آئیں اور نیلوفر نہ ملنا چاہے تو وہ کہہ سکیں :

بھئی فلمستان کا پروڈکشن مینجر آیا تھا ۔ شورلیٹ لے کر ۔ حالاں سٹھ کے ہاں پارٹی ہے ۔" یا " پرکاش کی کلر فلم کا آرٹ ڈائرکٹر آیا تھا ، کچھ ساڑھیاں خریدنا ہیں نسی کی پسند کی ۔"

نیلوفر نے ایسی کئی فلموں میں کام شروع کیا ۔ احمد بھائی چت ہو گئے اور بیگم نے فوراً پروڈیوسر سے جھگڑا کر کے کام چھوڑ دیا ۔ جب تک احمد بھائی چالو تھے وہ مفت کا کام کیسے کرتیں ' گزر کہاں سے ہوتی ؟

مگر احمد بھائی کہاں تک چلتے ؟ ان کے سسر ریس میں پانچ لاکھ کھو بیٹھے ۔ ایک ہی دن میں برسوں کی کمائی چلی گئی ۔ ادھر احمد بھائی کو دیوالیہ قرار دینے والے بھی چوکنے ہوکر ٹوٹ پڑے ۔کلابہ اور باندرہ کے جنرل اسٹور پر تالہ پڑ گیا ۔ نیلوفر والے فلیٹ پر بھی آنچ آ گئی ۔

بیگم کے چھکے چھوٹ گئے - مجھے بھی گرمیوں کی پندرہ دن کی چھٹیوں میں آئے ہوئے تھے - انہیں واپس بھجوانے کا سوال ہی نہیں رہ گیا تھا - صف ماتم بچھ گئی - اور اس وقت ، حب قیامت کا منظر تھا ، نیلوفر ہنس رہی تھی - چاکولیٹ منہ میں ڈال کر ، پپی کی چھوٹی سی ٹوپی انگلی پہ چڑھائے ، اپنے ڈریسنگ گاؤن کی بیلٹ کا لبادہ اڑھائے ، گڑیا بنا کر کھیل رہی تھی -

جب پلش کا فرنیچر گھسیٹا جانے لگا تو بیگم نے جھٹ سے زیور کی پوٹلی ساڑھی کے پلو میں باندھ کر اندر پیٹی کوٹ میں لٹکا دی اور نیلوفر کو کوسنے لگیں - خدا کا کرنا کیا ہؤا کہ چھپھم کی اوٹ سے دروازہ کھلا ، احسان صاحب مع سورج مل کے غیب سے ظاہر ہوئے -

دیکھتے دیکھتے فلیٹ کی قیمت مع فرنیچر وغیرہ کے ادا کر دی - کاغذات بیگم کی گود میں ڈال دیے اور نیلوفر کی اس سڈول پنڈلی کی طرف بھی نہ دیکھا جو نیلے ڈریسنگ گاؤن سے بادلوں میں بجلی کی طرح کوند رہی تھی -

سورج مل کوڈیا نو دولتیے نہیں تھے - ان کے دادا کے دادا کی آئے دال کی دکانیں کلکتہ میں پھیلی ہوئی تھیں - چاولوں میں سفید کنکر ملانے کا فن شاید انہی نے ایجاد کیا تھا - دال میں بڑے کنکر ملانے میں کئی فائدے

ہیں : ایک تو چنے والی گرہستن کی آنکھیں نہیں پھوٹتیں ،
دوسرے ان کے ملے وہ جانے کا بھی خطرہ نہیں ۔ چندھوں کو
بھی نظر آ جاتے ہیں ۔ آٹے میں سفید لکڑی کا برادہ ملا
دینے سے کسی پر مصیبت نہیں آتی ۔ لکڑی بھی ایک قسم
کی ترکاری ہے ۔ وہ یہ برادہ خاص طور پر جاپان سے امپورٹ
کیا کرتے تھے ۔ شدھ گھی میں اگر سیر پیچھے چھٹانک
چربی ملا دی جائے تو بھی کسی کو نقصان نہیں پہنچتا ۔
چربی بھی جانور کی چکنائی ہے ۔ برابر فائدہ مند ہے ۔ ہلدی
میں کیسو کے پھول اگر پیس کر ملا دے جائیں تو فائدہ
ہی ہے ، گرمی کم ہو جاتی ہے ۔ دھنیے کی گری نکال کر
اگر بھوسا پسوا کر الگ بیچا جائے یا الائچیوں میں سے
تھوڑا سا سب نکال لیا جائے تو کوئی ٹوٹا نہیں آتا ۔ ویسے
بڑے سادھو منش تھے ۔ کتنے ہی آشرم ان کے دان پر
چلتے تھے ۔

سورج مل گریجویٹ تھے ۔ فیشن ایبل تھے ۔ ان کی
بیوی ایف ۔ اے پاس ، ناچ گانے میں طاق ، بڑی حسین عورت
تھیں ۔ چار بچے تھے ۔ بڑے پیار کی زندگی تھی ۔ مگر منہ
کا مزہ بدلنے کے لیے وہ دو چار لڑکیاں رکھا کرتے تھے ۔
بزنس میں بڑی سہولت رہتی ہے ۔ یار دوستوں کو گھر میں
شراب پلانا انہیں قطعی پسند نہ تھا ۔ خاص طور جب سے

پروھشں شروع ھؤا تھا ۔ اصل ھو حق تو وہ ان لڑکیوں کے ساتھ ھی کرسکتے تھے ۔ بیلوبر عرصے سے ان کے پلاں میں تھی ۔ وہ اسے بہت اونچے اور ٹھاٹ دار طریقے پر رکھنا چاھتے تھے ۔ احمد بھائی لیچڑ انساں تھا ، ھر بات مسسک کر کیا کرتا تھا ۔

سورح مل کچھ روپیہ فلموں میں لگانا چاھتے تھے ، مگر حں شرائط پر وہ روپیہ لگانا چاھتے تھے ، بڑے پروڈیوسر تیار نہ ھوئے ۔ ساٹھ فی صدی سالانہ سود کوں دے سکتا تھا ؟ اتنا سود دو ، آرٹسٹوں کی بلیک بھرو ، میورک ڈائرکٹر بھی بلیک ھی زیادہ مانگتے ھیں ۔ دس لاکھ کی فلم بناؤ ۔ دو لاکھ سود کے ، چار لاکھ بلیک کے ، رہ گیے چار لاکھ ، تو اس میں سے ساری فلم بنائی جائے ۔ چار لاکھ کی فلم کو دس لاکھ کی ظاھر کرنا وہ فن ھے جو ٹکے والے پروڈیوسر ھی جانتے ھیں ۔

احساں صاحب بھی اسی قسم ایک کے پروڈیوسر تھے ، جنھیں پا کر سورح مل کموڈیا کو یقیں ھو گیا کہ اب محبوب ، شانتا رام اور بمل رائے کا زمانہ ختم ، ایس مکرجی کا راج ختم ، اب تو بس سورح مل فلم پروڈکشں کا ھی بول بالا ھوگا ۔ انھیں دادر کا فلیٹ قطعی نا پسند تھا ۔ اس لیے انھوں نے اسے روڈ ، چرچ گیٹ پر اونر شپ پر فلیٹ لے

کر سارے خاندان کو اس میں انڈیل دیا ۔ ایک موٹر میں
آ نہیں سکتے تھے ، اس لیے ایک موٹر ڈرائیور چلا کر لایا ۔
جاتے وقت وہ ایک گاڑی چھوڑ گئے ، صبح ایک ڈرائیور
بھجوا دیا ۔

مگر سورج مل دوسری قسم کے انسان تھے ۔ انہیں
نیلوفر کی سستی اداؤں سے سخت کوفت ہوتی تھی ۔ ابھی
تک آسے ہاتھ لگانے کی بھی خواہش نہیں ہوئی تھی ۔ وہ
آسے ڈھیل دینا چاہتے تھے ۔ کبھی کبھار گال پر چٹکی لے
لیتے ، کبھی کولھے پر دھپ مار دیتے ۔ اس سے بلند مرتبہ
ابھی آسے دینے کو تیار نہیں تھے ۔ وہ تھی بھی ذرا گنوار ۔
احمد بھائی کی صحبت میں بہت ہی بھونڈے پن آ گیا تھا ۔
ایک دم بمبئی کی گلھیاری زبان پر اتر آتی ۔ موالیوں کی
طرح اکڑ کر دیکھتی ، گویا کہہ رہی ہو " یوں نہ
مانو گے ۔ پھر ہو جاؤں سکی ؟ "

مگر سورج مل اس کی بر ھنگی سے قطعی مسحور نہ ہوئے ۔
کم از کم ظاہر نہ ہونے دیا ۔ اس کی اصل بات جو انہیں
پسند تھی ، وہ اس کا شریف خون تھا ۔ وہ سارے ہندوستان کی
تہذیب کا لطف اٹھا چکے تھے ۔ انہیں عورت میں بڑے گنوں
کی تلاش تھی ، جو انہیں دلی ، آگرہ اور بنارس کے اونچے
کوٹھوں میں ملے تھے ۔ بڑی خوبصورت اردو بولتے تھے ۔ بمبئی

کی بولی پر کبیدہ خاطر ہو جایا کرتے تھے۔

بیلوہر کو پہلے تو ان سے گھن آئی، پھر ٹھیک لگنے لگے، اور پھر اچھے لگنے لگے۔ وہ انہیں لبھانے کے لیے ایک دم شرافت پر اتر آئی۔ سلیقے سے کپڑے پہننے لگی۔ ڈریسنگ گاؤن میں اسے دیکھ کر وہ گھبرا کر دو چار بار لوٹ گئے تو وہ ان کے آنے سے پہلے کپڑے پہن کر تیار بیٹھنے لگی۔

وہ اسے آزادی سے ساتھ لے جانے لگے۔ ذرا شوقین لوگوں کی دعوتوں میں، پکنکوں اور گانے بجانے کے پروگراموں میں۔ کلبوں میں بھی وہ ساتھ رہنے لگی۔ گو اسے معلوم تھا: اس کی طرح تین اور لڑکیاں ہیں، جن سے سیٹھ کی اولاد بھی ہے، مگر وہ سب نہایت شرافت سے رہتی ہیں۔ ان کے بچے انگریزی اسکولوں میں جاتے ہیں۔ جس محلے میں رہتی ہیں سیٹھ کی بیوی سمجھی جاتی ہیں۔ سیٹھ ہنگامے کے قائل نہیں۔ چپ چاپ آتے ہیں، اٹھتے بیٹھتے ہیں، چلے جاتے ہیں۔ یار دوست بھی آتے ہیں۔ مصلحت دیکھتے ہیں تو کسی دوست کو داشتہ ادھار بھی دے دیتے ہیں۔ اگر دوست چاہے تو بالکل بھی دست بردار ہو جاتے ہیں۔ مع خاندان کے فلیٹ اس کے ہاتھ بیچ بھی دیتے ہیں۔

سوال یہ اٹھتا ہے کہ اتنے خاندانوں کا خرچ کیوں کر برداشت کرتے ہیں؟ بڑی لمبی چوڑی بیوپاری تفصیل ہے۔

خیر جہاں اتنی تفصیل جھیلی ہے، یہ بھی برداشت کر لیجیے، شاید کوئی کام کا نکتہ ہاتھ آجائے۔

سیٹھ ان لڑکیوں کے نام سے بزنس کرتے ہیں۔ ان میں اتنی عقل تو ہے نہیں کہ کچھ سمجھیں یا شبہ کریں۔ وہ جن کاغذات پر دستخط لیتے ہیں، یہ کر دیتی ہیں اور انہیں معلوم بھی نہیں ہوتا کہ وہ لاکھوں کا لین دین کر رہی ہیں۔ ان کے نام سے ٹھیکے لیتے ہیں، مگر سب قانونی حدوں کے اندر۔ جتنا اس طریقے سے انکم ٹیکس، سپر ٹیکس سے بچ جاتا ہے، وہ ان کے خرچ سے بہت زیادہ ہوتا ہے۔

نیلوفر چونکہ پڑھی لکھی تھی، اسے معلوم ہو گیا کہ احسان صاحب کو جو فلم کے لیے روپیہ دے رہے ہیں وہ اس کی طرف سے ہے۔ وہ کمپنی کی مالک ہے۔ اگر اس کے دل میں بے ایمانی آجائے تو سیٹھ منہ دیکھتے رہ جائیں۔

اپنی طاقت کا اندازہ کر کے وہ ایک دل پھول گئی۔ بیگم کو اس نے سمجھایا تو ان کی بھی باچھیں کھل گئیں۔ خیر بیچ میں جھگڑا کرنے سے کیا فائدہ؟ نیک آدمی ہے۔ اپنا بھی تو فائدہ ہی ہے۔ کسی بات کی کمی نہیں۔ بیگم سمجھ دار تھیں۔

نیلوفر کو انہوں نے آہستہ آہستہ رانی صاحبہ کہلوانا شروع کر دیا۔ سیٹھ مسکرا کر رہ گئے۔ ان کی سب ہی

عورتیں اپنے اپنے محلوں میں رانیاں بنی ہوئی تھیں ، مگر ایک دوسری سے واقفیت نہ تھی اور صرف اپنے ہی کو رانی سمجھتی تھیں ۔

جب جیر سے نیلوفر کا پیر بھاری ہؤا تو سیٹھ ایسے خوش ہوئے جیسے ہیجڑے کے گھر بٹیا ہونے کی خبر ملی ہو ۔ خود لے کر ڈاکٹر کے پاس گئے ۔ اپنے ہاتھوں سے ٹانک اور وٹامن کھلاتے ۔ ہر وقت احتیاط رکھنے کو کہتے ۔

مگر جس دن فلم کی مہورت ہوئی تو سیٹھ نے پوجا کرتے وقت صرف اپنی بیوی کو ساتھ بٹھایا ۔ نیلوفر کا جی اچھا نہ تھا ، مگر وہ ضد کر کے گئی اور جب وہ پوجا کر رہے تھے تو ساتھ بیٹھنے پر اڑ گئی ۔

” واہ ! میں اصل پروڈیوسر ہوں ، میرے ساتھ مہورت ہوگی ۔“

” پیسہ تو سیٹھ کا ہے ۔ ان کی خوشی ہو جانے دو ۔“ احسان صاحب نے سمجھایا ۔

” اے ایسا بھی کیا چھچھورپن ۔“ بیگم نے بھی ڈانٹا ۔

تصویر کھچنے لگی تو وہ بھی ساتھ ڈٹ گئی ، مگر عین وقت پر اس کے اور سیٹھ کے درمیان احسان صاحب گھس آئے ۔ وہ ہر کھچتی ہوئی تصویر میں گھستی ، مگر ذرا سی

ترتیب بدل کر پھر کونے میں جا پڑتی ۔

جب تصویریں اخبار میں چھپیں تو اس کا نام بھی بوجی کہیں روا روی میں اور ایکسٹرا لڑکیوں کے ساتھ آ گیا ۔ حسب عادت اس نے دوسرے دن سیٹھ سے الجھنے کی کوشش کی تو انہوں نے پہلے تو ہاتھ سے اسے ایک ہوراک ٹانک کی پلائی ، پھر بڑی نرمی سے سمجھایا " یہ سب برس کی باتیں ہیں ۔ بے کار عورتوں کو ٹانگ نہیں پھنسانا چاہیے ۔ آہستہ آہستہ سمجھ جاؤگی تو پھر ایسی فضول باتیں نہیں کرو گی ۔"

مگر نیلوفر زبان بن چکی تھی ۔ اسے چین نہ پڑتا ۔ خواہ کتنی بھی تکلیف ہوتی ، وہ شوٹنگ پر جاتی ۔ ہر بات میں بال کی کھال نکالتی ۔

" یہ اتنا وقت کیوں خراب ہوتا ہے ؟ "

" پروڈکشن منیجر چور ہے ۔"

" یہ گانا چلتا ہوا نہیں ہے ۔"

" یہ ہیروئن بلیک کیوں لیتی ہے ؟ ہیرو دو بجے کیوں آتا ہے ؟ سب کام چور ہیں ۔"

بیگم بھی اس کی ہاں میں ہاں ملاتیں ۔ دونوں مل کر ہر ایک سے الجھتیں ۔ لوگ منہ پر تو کچھ نہ کہتے ، پیٹھ پیچھے گالیاں دیتے ۔

جب نیلوفر نے تھوڑی سی لونڈیا جنی تو سیٹھ کا منہ سوکھ گیا ۔ انہیں اس بات پر فخر تھا کہ ان کی سب داشتاؤں کے پہلوٹھی کے بیٹے ہی ہوئے تھے ۔ ان کی اصلی بیوی کے بھی تین لڑکے ہی تھے ۔ صرف ایک لڑکی تھی ، جس کے لیے وہ چند لاکھ میں آسانی سے بر خرید سکتے تھے ، حالانکہ وہ تو نیلوفر کی لڑکی سے بھی زیادہ بدصورت تھی ۔

لڑکی کی پیدائش پر کچھ بیزار سے ہو گئے ۔ مشغولیت بھی بڑھ گئی ۔ اڑتی اڑتی یہ بھی خبر ملی کہ پنجاب سے کوئی بڑی دھار دار لڑکی آئی ہے ، سیٹھ آج کل اس کے ساتھ بہت گھومتے ہیں ۔ اس نے سیٹھ سے لڑنے کی کوشش کی تو وہ ہنس کر ٹال گئے :

” ارے بھئی بے چاری کام کی تلاش میں ہے ۔ احسان میاں سے میں نے کہا کوئی چھوٹا سا رول ہو تو اسے دے دو ۔“

” پکچر ختم ہو گئی ، اب رول کہاں دھرے ہیں ؟“ بیگم بولیں ۔

” وہ ایک کیمرے میں ڈانس رہ گیا تھا ۔“ احسان بولے ۔

” آپ تو کہہ رہے تھے اب کچھ باقی نہیں ۔“

” ڈسٹری بیوٹر نے کہا ہے ایک اور ڈانس ڈالو ۔“

” ارے تم سمجھتی تو ہو نہیں ، بے کار لڑنے لگی

ہو۔" احسان صاحب نے خلافِ عادت ذرا گرمی سے کہا۔

" اور آپ بہت سمجھتے ہیں؟ چپکے بیٹھے رہیے۔ میرا منہ نہ کھلوائیے۔ رنڈیوں کی دلالی کرتے ہیں اور اوپر سے اکڑ دکھاتے ہیں۔"

" جانے دو ان باتوں سے کیا فائدہ؟" سیٹھ نرمی سے بولے۔

" کیوں جانے دوں؟"

" احسان میاں آپ ہی چپ ہو جائیے۔"

" میں تو چپ ہوں سیٹھ جی۔ ان کتیوں کے منہ آنا اپنی عزت گنوانا ہے۔"

" کتیا ہوں گی آپ کی امی جان۔" نیلوفر آپے سے باہر ہو گئی۔ وہی نیلوفر، جس کی سوا چار سال کی عمر میں بسم اللہ ہوئی تھی۔ جو تتلا کر گایا کرتی تھی: " لب پہ آتی ہے دعا .." تو دادی بی اس پر سے صدقہ اتارا کرتی تھیں۔ جسے ساتوں کلمے ازبر تھے۔ جو سلام پڑھتی تھی تو لوگوں کی آنکھیں بھیگ جاتی تھیں۔ وہی اب کھلی کھلی گالیاں دینے میں مچھلی والیوں کو بھی مات کر رہی تھی۔

احسان صاحب بھی کچھ کم نہیں تھے۔ ان کی گالیوں میں پھیلاؤ تھا اور گہرائی تھی۔ مگر سیٹھ بیٹھے مسکرا رہے

تھے ۔ وہ اس وقت تک مسکراتے رہے جب آونچی اڑی کی سینڈل لے کر نیلوفر نے احسان صاحب کی نکسیر چھڑا دی ۔ وہ تو اسی وقت پولیس چوکی جانے کی دھمکی دے رہے تھے ، سیٹھ نے سمجھا بجھا کر ٹھنڈا کیا ۔ اس واقعہ کے بعد کئی دن تک سیٹھ نہیں آئے ۔ نیلوفر نے کتنی بار فون کیا ، معلوم ہؤا نہیں ہیں ، یا سو رہے ہیں ۔ بہت پیچھے پڑی تو ٹیلی فون رکھ دیا گیا ۔ مگر روپے پیسے کی کوئی تکلیف نہ ہوئی ۔ مہینے کا خرچ اسی طرح اٹھائیس تاریخ کو چیک کی صورت میں مل گیا ۔ آج پہلی بار رسید پر دستخط کرتے وقت نیلوفر نے دیکھا کہ رسید پر روپیہ کی وصولی کا حوالہ ہے ۔ آج تک جتنا روپیہ اسے ملا تھا ، سب ایسے ہی ملا تھا ۔ اگر سیٹھ چاہیں تو یہ روپیہ واپس لے سکتے ہیں ۔ یہ روپیہ اس نے فلم بنانے کے لیے لیا تھا ۔ اس کے علاوہ بھی وہ نہ جانے کتنی رسیدیں اسی طرح وقتاً فوقتاً دیتی رہی تھی ۔ کچھ سادی ہنڈیاں بھی دستخط کر کے دی تھیں ۔ مکان بے شک اس کے نام تھا ۔ اس کے علاوہ لاکھ ڈیڑھ لاکھ سے کم کا زیور نہ ہوگا ۔ بیگم بدحواس ہو گئیں ۔ کمبخت نے بے کار بھڑوں کے چھتے کو چھیڑ دیا ۔

نیلوفر نے رسید پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا ۔ سیٹھ نے کچھ نہ کہا ، مگر چوتھے روز چیک واپس آ گیا ۔

اسے روڈ کی پرشور فضا میں کسی نے وہ کوسنے گالیاں نہیں سنیں جو ہیلوہر اور بیگم کی جنگ کے دوران میں دی اور لی گئیں ۔ نہ ہی ان جوتیوں کی پھٹاپھٹ سنائی دی جو ایک دوسرے کے سر پر ماری گئیں ۔ اور نہ ہی کسی کے کان پر جوں رینگی ، جب رو دھو کر دونوں پھر گلے مل گئیں ۔

بیگم نے سیدھے جا کر احسان کے پیر تھام لیے ۔ وہ بھی کچھ پریشان سے بیٹھے تھے، مس گئے ۔ پھر دونوں سیٹھ کے پاس گئے ۔ گھر پر برس کے سلسلے میں کبھی کسی سے نہیں ملتے، دفتر میں کئی گھنٹے انتظار کرنے کے بعد سیٹھ ملے ۔ بالکل ڈیرےدار طوائفوں کی نائیکاؤں کی طرح انہوں نے سیٹھ کو یقین دلایا کہ ان کے فراق میں ہیلوہر لب دم ہو رہی ہے ۔ رو رو کر بے حال ہوگئی ہے ۔ اگر وہ نہیں آئے تو جان دے دے گی ۔

سیٹھ بھی واقعی شری کھنڈ کے بنے ہوئے تھے ، فوراً بڑے پیار سے بولے :

” فرصت نہیں ملی ۔ پکچر کی ڈلوری دینا ہے ۔ پوچھ لیجیے میاں سے ، دم لینےکا وار نہیں ۔ کمبخت مدراس والا بہت تنگ کر رہا ہے ۔ کہتا ہے اتنی لیٹ کر دی پکچر ۔“
اور وہ کاروباری مشکلات کی تفصیلوں میں چلے گئے ۔

اتنے میں وهی پیحاب کی دوحیزکلی لحائی شرمائی آ گئی ۔ آح پریمیر پر حانا تھا کسی فلم کے ۔ نیلوفر کتنے دں سے تڑپ رهی تھی اس فلم کے پریمیر پر حانے کے لیے ۔ نئی ساڑھی بھی حریدی تھی ۔ سیٹھ ایک دم اٹھ کر اس کے ساتھ اندر کے کمرے میں گئے ۔ بیگم بیٹھی سوکھتی رهیں ۔ معلوم هؤا وہ تو ادھر هی سے نکل گئے ۔

" میں نہ کہتا تھا سیٹھ ایک حرامی هے ۔ ایک دفعہ کسی بات کا فیصلہ کر لے تو پھر کوئی چیز اسے بدل نہیں سکتی ۔ اب نیلوفر میں وہ دم حم بھی نہیں رها ۔"

" کیا مطلب ؟ " بیگم سن کر چونکیں ۔ انہیں کیا نیلوفر کو بھی یہی دھڑکا لگا هؤا تھا ۔ سیٹھ سورح مل ، احمد بھائی کی طرح کبھی اس پر لوٹ نہیں هوئے ۔ پھر بھی دو سال نبھا گئے ۔

اگر نیلوفر اتنی اکّھڑ نہ هوتی تو ساری عمر نبھا حاتے ۔ انہوں نے کبھی کسی کو منجھدار میں نہیں چھوڑا ، مگر رسید پر دستحط نہ کر کے اس نے ان کا سحت اپمان کیا ۔ اور یہ وہ نہیں برداشت کر سکتے کہ اُن کی نیت پر کوئی شک کرے ۔ نیلوفر کو انہوں نے حود هی معاف کر دیا ۔ وہ تو احسان صاحب کی صورت دیکھ کر اندر چلی گئی تھی ۔ اس کا حون کھول رها تھا ۔ اسے ساری دنیا پر غصہ آرها تھا ،

جو اس نے سھی سی بچی پر اتارا :

" اس کمبخت کو بھی وہیں پھنکوا دو ۔"

"آہہ! نہ جانے کیا ارادہ ہے اس کا؟" احسان صاحب چڑ گئے ۔

" کیوں ؟ میں کیوں پالوں اس حرامزادی کو ؟"

" دیوانی نہ ہو ۔"

" ارے میں تو ان کے جھکے چھڑا دوں گی۔ سیٹھ کا بچہ سمجھتا کیا ہے ؟"

" بیلوفر بی بی — ہاتھی سے گنے چھینے چلی ہو ۔ کیا سمجھا ہے تم نے ؟ سیٹھ کوئی ترا گاؤدی ہے ؟ نہ جانے کس گماں میں ہو تم ۔"

" مگر لڑکی سیٹھ کی ہے کہ نہیں ۔ اس کا حق ہے یا نہیں ؟ " بیگم بولیں ۔

" لڑکی سیٹھ کی ہو یا نہ ہو ، اس سے بحث نہیں ، مگر اس کا حق کچھ نہیں ، کیونکہ قانوناً وہ ان کی نہیں ۔ سیٹھ کا ایسا کوئی بچہ بھی اُن کی دولت میں حق دار نہیں ۔"

" کیا مطلب ؟ "

" مطلب یہ کہ تم گدھی ہو نری ۔ ھسپتال میں تم کس نام سے گئی تھیں ۔"

"ھسپتال میں؟ پتہ نہیں ۔ لیکن بل سارے سیٹھ جی نے

چکائے ۔''

'' ہاں ، مگر بچے کے باپ کا نام ؟ ''

'' سیٹھ جی کا ہوگا — اور کس کا ہو سکتا ہے ؟''

'' جی نہیں ، یہی توتمھاری بھول ہے ۔''

'' پھر کس کا نام تھا ؟''

'' اب جانے دو ، کیا حاصل ان باتوں سے ؟ ''

'' آخر بتاتے کیوں نہیں ؟ ''

''بھئی تم سے ڈر لگتا ہے ۔ تمھارے ہاتھ پیر قابو میں ، نہ زبان قابو میں ۔''

'' نہیں ایسی بھی کیا بات ہے ، بتاؤ نا ۔''

'' میرا ہی نام ہے ۔''

'' تمھارا ۔ ارے کچھ گھاس تو نہیں کھا گئے ؟''

'' اچھا تم ہی بتاؤ کیا کرتا ؟ نہ کر دیتا ۔ دیکھو بیلومر اس مارا ماری سے کچھ حاصل نہ ہوگا ۔'' انھوں نے اس کی آنکھوں میں خون اترتا دیکھ کر کہا ، '' ٹھنڈے دل سے بات سنو ، ورنہ بھٹی میں چلا ۔'' انھوں نے دھمکی دی ۔

گالیوں کوسنوں کی معقول مقدار کے تبادلے کے بعد بولے :

''حق کی بات پوچھتی ہوتو قانوناً تم میری بیوی ہو ۔''

احسان صاحب نے بتایا ، '' سیٹھ شروع سے اس لفڑے میں پڑتے ہوئے ڈرتے تھے ۔ اس شرط پر تمھیں یہاں لائے تھے

کہ میں نکاح کر لوں اور . "

" اوئی! مردوئے بھیجا لوٹ گیا ہے تیرا ۔ نکاح کیسے ہو گیا ؟ یک طرفہ نکاح ہو گیا ؟ "

" باقاعدہ نکاح ہؤا ہے ۔ نکاح نامہ موجود ہے ۔"

" ہیں ۔ نکاح نامہ ۔ وہ کیسے ؟ " انہوں نے نیلوفر کا ہاتھ پکڑ لیا ، جو احسان صاحب پر گالیاں برسانے برسانے ہونٹوں پر اتر آئی تھی ۔

" جعلی نکاح نامہ ۔ میاں جی جیل کی ہوا کھانے کا ارادہ ہے ؟"

" بیگم اتنی کچی گولیاں نہیں کھیلا ہوں ۔ اور خدا میری نیت میں کھوٹ ہو تو سؤر کا سا منہ ہو ۔"

" اب سؤر سے کیا کم ہے ۔ " نیلوفر جلے پھپولے پھوڑنے لگی ۔

" تمھیں تو میرا شکر گزار ہونا چاہیے کہ یہ لونڈیا بھی حرامی نہیں اور سیٹھ بھی خوش ۔ قسم سے میں نے تو یہ سب کچھ اس وجہ سے کیا کہ بھئی آخر کو شریف لڑکی ہے ، اولاد ہوگی تو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے گی ۔"

بیگم کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا ۔ سخت جان ہو جانے کی وجہ سے متحیر نہ ہونے کی کچھ عادت پڑ چلی تھی ، پھر بھی پوچھا :

" مگر یہ موا نکاح ہوا کیسے ؟ "
" اب کیسے بھی ہوا ، دستخط موجود ہیں ۔"
" اے ہے کیسے دستخط ؟"
" صاحبزادی کے ، پھر دو گواہوں کے ۔"
" نہ جانے کس دھوکے سے لے لیے دستخط ۔ ابھی تو اللہ جانے اور کاہے پہ دستخط نکلیں گے ۔ یہ فلیٹ تو ہے ، یا یہ بھی دستخطوں میں گیا؟ کتنی بار کہا : نیک بخت پڑھی لکھی ہے ، دیکھ تو لیا کر ۔ بس آنکھ بند کی اور اپنی میت پہ دستخط کر دیے ۔ "

" ہاں یہ فلیٹ ابھی تک تو تمہارا ہی ہے ، آگے سیٹھ کی مرضی ۔ اگر نیلوفر ذرا ٹھنڈے دل سے سوچ سمجھ کر ۔ "

" اب کیا ہوگا ؟ " بیگم حسرت سے ہاتھ ملنے لگیں ۔
" ہوں ۔ تو آپ ہمارے خصم ہوئے ؟" نیلوفر نے زور کا قہقہہ لگایا ۔

" اے نیلوفر یہ کیا بدتمیزی ہے ؟" بیگم جل گئیں ۔ شاید اب بھی گزشتہ تعلقات کے واسطے انہیں تھوڑا سا خیال تھا ۔

" ارے واہ! ہم تو اپنے میاں سے بات کر رہے ہیں ۔"
" بس بس ۔ زیادہ بکواس لگائی تو جوتی سے منہ مسل

دوں گی۔

"مہر کتنا ہے میاں جی؟" نیلوفر مسکرائی۔

"وہی شرعی مہر مبلغ بتیس روپے۔"

"نقد۔" نیلوفر نے ایک اور قہقہہ لڑھکایا۔ اسے روڈ پر رہنے والے زندہ دل لوگوں نے سوچا بڑی ہنس مکھ ہے یہ قہقہوں کی رانی! پیچھے مندر میں بھجن شروع ہو گئے تھے۔ سامگری کی بوباس ہوا کو بدمست بنا رہی تھی۔ بہار موسم کی پوں پیں ڈھولک کی گمک اور مجیروں کے چھناکوں کے ساتھ مل کر ماحول کو جان دار بنائے ہوئے تھی۔ پجاری جی اپنی پھٹے بانس جیسی بے سری آواز میں کوئی فلمی گیت گا رہے تھے:

"دیوتا مجھ کو تیرا سہارا۔ میں نے تھاما ہے دامن تمہارا۔" یا شاید: "تو نے تھاما ہے دامن ہمارا۔" ہمارا؟ تمہارا؟ فلمی ٹیون میں جو بیٹھ جائے وہی ٹھیک ہے۔ یہاں کسی کو پتہ نہیں کیا ہمارا ہے اور کیا تمہارا۔ خدا نے انسان کا دامن پکڑا ہے یا خدا کا دامن انسان نے پکڑ رکھا ہے۔ کچھ فرق نہیں پڑتا۔ جس انداز سے پجاری گا رہا ہے، اس سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انسان اور خدا دست بہ گریباں ہیں۔ اور بس۔ اور نیلوفر اونچے اونچے قہقہے فضا میں اچھال رہی ہے۔ کیا بھگوان کی لیلا ہے۔ اس کی

ماں کا یار اس کا قانونی شوہر ! قانون اور شوہر ، شوہر اور قانون — سب ایک سڑک کے پتھر ہیں ، جن سے لیلوفر جیسی بے بس لڑکیوں کو سر پھوڑنا پڑتا ہے - تب ہی تو اس کے قہقہوں میں شعلے بھڑک رہے ہیں - اور دور جو ہو کی خواب آلود فضا میں پنجاب کی ایک نوخیز کلی ہولے ہولے پھول بن رہی ہے - سیٹھ کی آنکھوں سے ہوس کی چنگاریاں چھٹ رہی ہیں - کل شگوفہ کے پہلے فلم کی مہورت ہے - وہی ہیروئن ہے - وہی اپنا پیسہ لگا رہی ہے - اپنا پیسہ — سیٹھ کا پیسہ — اپنا جسم — اور سیٹھ کا جسم !

یہی پیار ہے — اور یہی بیوپار !

چوتھا باب

,,مگر یہ اللہ مارا نکاح ھؤا کب ؟ کہاں ھؤا ؟''

,, لکھم پور میں ۔ اس فلیٹ میں آنے سے پہلے ۔''

,, میاں ھوش کے ناخن لیو ۔ ھتھ کڑیاں نہ پڑوا دوں تو بیگم نہیں مالزادی ہونا ۔''

,, ھاں مقدمہ لڑو تو شاید جیت جاؤ ۔ مگر کیا ضرورت ھے مقدمے کی ؟ چاھو تو آج طلاق لے لو ۔ میں نے تو تمہارے ھی بھلے کو کہا تھا ۔''

,, ایسی کی تیسی میرے بھلے کی ۔''

,, ھاں جی طلاق دے دو ۔''

,, سوچ لو ٹھنڈے دل سے ۔'' احسان صاحب مسکرائے ۔

,, کیا سوچ لوں ؟''

,, ممکن ھے سیٹھ پھر من جائیں ۔ ویسے وہ کبھی تھوک کر چاٹا تو نہیں کرتے ۔ بھئی میں تو اپنی سی کر چکا ۔ اب اس سے زیادہ کیا کر سکتا ھوں ۔ مگر فکر نہ کرو ، بچوں کی فیس ھر مہینے وقت پر پہنچ جائے گی ، گھر کا خرچ بھی ملتا رھے گا ۔''

,,مگر وہ آئے کیوں نہیں ؟ تم نے کہا ھوتا نیلوفر انہیں

بہت یاد کرتی ہے ۔" نیلوفر کی آواز بھرا گئی ۔ احسان صاحب ہنس پڑے ۔

" کیا بچوں جیسی باتیں کرتی ہو ۔ موجی آدمی ہے اپنا سیٹھ ۔ کسی سے دل لگ جائے تو کیا کہیے ، مگر ایک دفعہ منہ پھیر لیں تو پھر "

"اے توبہ جی — لڑکی سے ایسا کون سا گناہ ہو گیا ۔" بیگم بولیں ۔

" دل کا سودا جو ہؤا ۔"

" ہنہ — حرامزادہ بڑا آیا دل والا ۔" نیلوفر غرائی ۔

" میں کہتا ہوں اس بکواس سے فائدہ ؟ سانپ نکل گیا ، تم بیٹھی لکیر پیٹ رہی ہو ۔"

" ایسے سانپ کی منڈی نہ مسل دیوں تو نیلوفر نہیں چھنال بولنا ۔"

" کیوں بے کار میں جی کڑھا رہی ہو ۔" احسان نے اس کا ہاتھ دبایا ۔

" اُہنہ — عاجز ہو ۔" نیلوفر نے ان کا ہاتھ دور جھٹکا ۔

" بھئی واہ — یعنی ہم ہاتھ بھی نہ لگائیں ۔"

" نہیں ۔"

" وہ کیوں جی ؟ "

" ہمیں گھن آتی ہے ۔"

" اللہ رے دماغ ! رسی جل گئی پر بل نہ گیا ۔ اب یہ نخرے نہیں چلیں گے مس صاحب ۔ وہ دن گئے جب خلیل خاں فاختہ اڑایا کرتے تھے ۔ دس برس ہو گئے یا اس دھندے میں ۔"

" تو پھر ؟"

" بیس پر عورت ڈھل جاتی ہے ۔" وہ بڑبڑے جلے گئے ۔

" اے کاہے کو طوماں جوڑتے ہو جی ۔ کون ہے بیس کی ؟" بیگم بیچ میں آ گئیں ۔ "چل لڑکی اپنے کمرے میں جا ۔ یہ موا تو آج واہی تباہی پر تلا ہوا ہے ۔"

" میں ڈھل گئی ہوں ۔ یہی کہہ رہا ہے نا ؟" نیلوفر کی آنکھوں میں ناگیں پھنکارنے لگیں ۔

" میں کیا کہہ رہا ہوں جی ، وقت خود کہہ رہا ہے ۔ ورنہ سیٹھ جی آج شگوفہ کی بجائے تمہارے قدموں میں ہوتے ۔"

" تو میں بوڑھی ہو گئی ۔ یہی مطلب ہے نا ؟"

"یہ تو میں نے نہیں کہا ، مگر ایسی نئی نویلی بھی نہیں ۔"

" میں ڈھل گئی ہوں ۔" اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا بلاؤز تار تار کر ڈالا اور تن کر کھڑی ہو گئی ۔

" دیکھ اندھے ۔" پھٹی پھٹی آنکھوں سے وہ اس ابھرتے ہوئے طوفان کو دیکھتے رہ گئے ۔ بیگم کے ہاتھ سے سلاد

کی پلیٹ چھوٹ پڑی ۔

" ہے ہے نامراد ۔ دیوانی ہوئی ہے کیا ؟ شرم نہیں آتی ؟"

" نہیں آتی شرم ۔" نیلوفر نے آنسوؤں بھرا قہقہہ لگایا اور جھٹکے سے بکھرے ہوئے بال پیچھے پھینک کر بالکل احسان صاحب کے سر پر چڑھ آئی ۔

" دیکھ حرامزادے ۔ میں ڈھل گئی ہوں ۔ تو اب کیا کاہے کو مر گئی رہے ؟" احسان صاحب سہمی ہوئی ہنسی ہنسے اور آستین سے پسینہ پونچھ ڈالا ۔

" چل جا کپڑے بدل ۔" بیگم نے اس کا بازو پکڑ کر گھسیٹا ۔

" نہیں بدلتے ۔" نیلوفر نے ان کا ہاتھ جھٹک دیا ۔

" سامنے فلیٹ میں مسٹنڈے کھڑے دیکھ رہے ہیں کمبخت ۔"

" دیکھنے دو ۔ دیکھو جی مجھے غصہ دلاؤ گی تو ایسی کی ایسی سڑک پر چلی جاؤں گی ۔" وہ بالکنی کی طرف مڑی ۔ مگر اس سے پہلے کہ وہ بالکنی میں جاتی ، بیگم نے دہائی ڈال دی ۔ احسان صاحب کو گالیاں دینے لگیں ۔ انہوں نے لپک کر کولیا بھر لی اور اسے صوفے پر پٹخ دیا ۔

پھر جو گھمسان ہوئی ہے تو احسان صاحب ، بیگم ،

باورچی اور آیا ایک طرف ، دوسری طرف نک دھڑنگ نیلوفر نے سب کی دھجیاں بکھیر دیں ۔

جتنی توڑنے کے قابل چیزیں تھیں ریزہ ریزہ کر ڈالیں ، پھر جو بھی ہاتھ آیا اٹھا اٹھا کر بالکنی سے نیچے پھینکنے لگی ۔

اور اسی وقت جیسے جادو کے زور سے سیٹھ سورج مل کنوڈیا کمرے میں آ گئے ۔ چپ کھڑے وہ چند لمحوں تک اس آپا دھاپی کو دیکھتے رہے ، مسکراتے رہے ۔

" اسے چھوڑ دو ۔ " انھوں نے احسان صاحب کو آہستہ سے ہٹایا ۔ ان کی آنکھوں میں میٹھی میٹھی آنچ سلگنے لگی ۔ الٹتی چھلکتی نیلوفر پر انھوں نے ایک منٹ میں قابو پا لیا اور وہ نیلوفر ، جو ہزار نخرے کرنے کی عادی تھی ، جو احمد بھائی سے دانتوں سے جوتے اٹھوایا کرتی تھی اور اپنے پیر دبوایا کرتی تھی ، کٹی پتنگ کی طرح ان کی آغوش میں بہہ گئی ۔

عیاشی اس کے خون میں رچ چکی تھی ۔ دس برس سے اس کی زندگی کا مقصد صرف جسمانی لذت پرستی بن چکا تھا ۔ سیٹھ کی چند دنوں کی بے رخی نے اسے دھلا کر رکھ دیا ۔ سیٹھ جی نئی لڑکی کے چکر میں پھنس گئے ۔ تو کیا واقعی وہ ڈھل گئی تھی ؟ نہیں — وہ اتنی ڈراؤنی بات سوچ

بھی نہیں سکتی تھی ۔ اس کے غرور کو ٹھیس لگتی تھی ۔ یہ جسم ہی تو اس کا کل اثاثہ تھا ۔ اس کے بغیر وہ بالکل معدوم تھی — غائب تھی ۔ رونا پیٹنا ہوا ۔ سیٹھ نے اس کے روم روم کو چوم کر قسمیں کھائیں ، توبہ کی ، جرمانے ادا کیے ۔ ادھر کچھ کم آگ نہیں لگی ہوئی تھی ۔ وہ لڑکی تو بس یوں ہی اسے چھیڑنے کے لیے ڈال لی تھی ۔ نہایت کمینی نکلی ۔ اسے تو پکچر میں لے کر پچھتا رہے ہیں ۔

وہ رات ایسا معلوم ہوتا تھا اس کی سہاگ رات ہے ۔ سیٹھ نے پیچھے موٹر میں سے اپنا اٹیچی کیس منگوایا اور اسے جواہرات سے لاد دیا ۔ ماں کے پیٹ والا جوڑا پہنے ، سر سے پیر تک زیور میں لدی وہ ان کے ہاتوں میں کھیلتی رہی ، کھلتی رہی ۔

" اچھا کپڑے پہن کر تیار ہو جاؤ ۔" انہوں نے گلاس اس کے ہونٹوں سے چھین کر پیار سے کولہے پر تھپڑ لگایا ۔

" کیوں ؟"

" کہیں چلیں گے ؟ "

" کہاں ؟ "

" جہاں جی چاہے گا ۔ اٹھو ۔"

وہ اپنے سارے تیر ترکش سنبھالتی ، بے حیائی سے شرماتی ، شمشیرِ برہنہ بنی اٹھی اور غسل خانے میں بھاگ گئی ۔

" ارے سو تو ۔"

" کیا ؟ " وہ اٹھلائی ۔

اس نے دونوں ہاتھ چوکھٹ پر رکھے اور ہانپی ۔ آج وہ اپنا سب کچھ نچھاور کرنے کا فیصلہ کر چکی تھی ۔ ایسی کم تیسی جوان چھوکری کی مہارت بھی آخر کوئی شئے ہے ۔

" اوور سی کی برس ہوگئی ۔"

" سچی ؟ " وہ چھم سے پھر اُن کے گھٹنے پر آ کر لد گئی ۔

"ہاں — ایک لاکھ پانچ ہزار کی ہوئی ہے ، جس میں سے پینتالیس ہزار بلیک ۔"

" وہ ہمارے ۔"

" تمہارا تو سب کچھ ہی ہے ، مگر "

" آپ بھی ؟ " وہ اترائی ۔

" ظاہر ہے — مگر ابھی کتنا بلیک ہمیں بھی تو بھرنا ہے ، جاؤ جلدی سے تیار ہو جاؤ ۔ بس کانٹرکٹ پر دستخط کر دو ، تاکہ کل ایڈوانس مل جائے ۔"

" اوں — پہلے پپی دو ۔"

" سیٹھ جی نے نیٹ وھسکی کا ایک بڑا سا گھونٹ منہ میں لیا اور اس کا سر اپنے گھٹنے پر ٹکا کر انڈیل دیا ۔

جب وہ دستخط کر رہی تھی تو سیٹھ کے ایک ہاتھ

میں کاغذات تھے اور دوسرے ہاتھ میں محبت کا پیغام۔

سیاہ ساڑھی اور جگمگاتے زیور پہنے جب وہ ملکۂ شب بن کر ان کے ساتھ جانے کے لیے نکلی تو اس کی آنکھوں میں آسمانوں کا نور تھا اور قدموں میں لرزش۔ اس نے ایک نظر سہمے ہوئے احسان صاحب پر ڈالی اور دوسری نواسی کو کھانا کھلاتی ہوئی ماں پر۔ اس کا جی چاہا اٹھی، اسی وقت ان سے بچی کو چھین لے اور پھر کبھی ہاتھ نہ لگانے دے۔ وہ دونوں کو مزہ چکھا دے گی۔ آج سیٹھ سے کہہ کر وہ اپنے لیے الگ فلیٹ لے گی، جہاں وہ اپنے کلیجے کے ٹکڑے کے ساتھ چین سے رہے گی۔ اب خدا کرے سیٹھ کی بیوی مر جائے تو بس پھر اسے زندگی سے کوئی شکایت نہ رہے گی۔

وہ رات — نیلوفر کی اصلی معنوں میں سہاگ رات — کتنی حسین تھی! سیٹھ جی پر پھر سے نوجوانی آ گئی تھی۔ پچپن برس کی عمر میں بھی ان کی ہر بات میں امنگ تھی۔ احمد بھائی تو ایک سرا تھے۔ شوہر حماقت۔ مگر سیٹھ جی تو جینے اور جلانے کا طریقہ جانتے تھے۔

پھر اسے کچھ یاد نہ رہا۔ وہ کہاں ہے؟ کن آسمانوں پر آڑ رہی ہے؟

جب اس کی آنکھ کھلی تو بڑی دیر تک دنیا گھومتی

رہی۔ جب نگاہیں کچھ ٹھیریں تو اس نے دیکھا وہ ایک اجنبی کمرے میں ہے ۔ اس کی سیاہ ساڑھی ، جو رات کے پھیلے ہوئے آسمان کی طرح جگمگا رہی تھی ، بیچ کمرے میں اژدہے کی طرح کنڈلی مارے پڑی تھی ۔ اس کے جسم پر کوئی زیور نہ تھا ۔ اس کا جی دھک سے ہوگیا ، مگر پھر وہ اپنی بیوقوفی پر مسکرا دی ۔ سیٹھ نے اس کا ایک ایک زیور اتارا ہوگا ۔ کاش وہ اتنی مدھوش نہ ہوتی تو ان کے لمس کی لذت سے محروم نہ رہتی ۔ مگر کوئی سامان بھی نظر نہ آیا ۔ شاید دوسرے کمرے میں ہوگا اور سیٹھ نہا رہے ہوں گے ، یا شاید دوسرے کمرے میں ہوں گے ۔ مگر اندازے سے معلوم ہؤا دوسرا کمرہ ہے ہی نہیں ، سنگل روم ہے ۔ جی گھبرانے لگا ۔ دروازے پر دستک ہوئی اور بیرہ چائے کی ٹرے لے کر آیا ۔ اس نے جلدی سے اپنے اوپر چادر گھسیٹ لی ۔

”صاحب کہاں ہیں ؟“

”کون سا صاحب ؟ ادھر تو کوئی صاحب نہیں آیا ۔“

”کیا بکتا ہے گدھے ۔“

”سچی بیگم صاحب ، آپ کا ڈرائیور آپ کو لایا تھا ۔ رات بہت ہو گئی تھی ، پر اس نے ڈبل بے کیا ، تب مینیجر راضی ہؤا ۔ وہ بولا میم صاحب سک ہے ۔“ بہرا معنی خیز انداز میں مسکرایا ۔ وہ جانتا تھا چادر کے نیچے مال

برا نہیں ۔

نیلوفر کا دل بری طرح دھک دھک کرنے لگا ۔ نہیں ۔ نہیں ۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے ؟ اس کا دل تو پاجی ہے جو خواہ مخواہ شک کرتا ہے ۔ سیٹھ نے اسے ڈرائیور کے ساتھ بھجوا دیا ؟ " تو وہ کون تھا جو رات کو " وہ دماغ پر زور ڈال کر سوچنے لگی ۔ کوئی تھا ضرور ۔ پاس تکیے پر بھی کسی کے سر کا نشان سا ہؤا تھا ۔

تو کوئی تھا ضرور ۔ سیٹھ نہیں تو پھر کون ؟ پھر اس کے کپڑے اور زیور کس نے اتارے ؟ اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے ۔ وہ کون آسیب تھا جو رات کی تاریکی میں اس سے پیار کر کے چلا گیا ؟ اور جو چپ چاپ اس کا گلا دبا دیتا تو؟

مگر جب مینیجر نے بھی بیرے کے بیان کی تصدیق کی تو وہ وہیں کاؤنٹر پر سر رکھ کر رونے لگی ۔

" ہوٹل کا بل تو چکا دیا گیا ہے ۔ آپ پریشان کیوں ہوتی ہیں ؟ شاید آپ کی طبیعت زیادہ خراب تھی اور آپ کو یاد نہیں رہا ۔ اکیلی ہی آئی ہوں گی ۔ " وہ ہمدردی جتانے لگا ۔

اس کا جی چاہا کتنے کا منہ کھسوٹ ڈالے ، مگر ضبط اس کی عادت ثانی بن چکا تھا ۔ اسے احمد بھائی کی ہائیریا زدہ کو برداشت کرنے کی عادت ہو گئی تھی ۔ سورج مل جی

کی ڈکاروں میں مگندھ آنے لگی تھی ۔ اب میجر کی گھومی گھومی پر معنی باتوں کو سہارنا کون سا مشکل کام تھا ؟

" اچھا ایک ٹیکسی منگوا دیجیے اور کمرے کا کرایہ " اس کے پاس ایک کوڑی بھی نہ تھی ۔

" اب گاڑی کا وقت تو نکل گیا ۔ شام کو ریس میں نہیں جائیے گا ؟ " وہ پھر گیلی گیلی مسکراہٹ بکھیرنے لگا ۔

" نہیں میں گھر جاؤں گی ۔ اے روڈ ، چرچ گیٹ ۔"

" میڈم یہاں سے ٹیکسی میں بمبئی جا کر کیا کریں گی ؟ اگر شام تک رک جائیں تو میں اپنی کرائسلر میں پہنچا سکتا ہوں ۔"

" ٹیکسی منگواتے ہیں یا نہیں ۔"

" مگر شاید آج کوئی ٹیکسی بمبئی کے لیے آسانی سے نہ ملے ۔"

" کیا بمبئی بمبئی تک رہے ہیں ۔"

" میرا مطلب ہے پونا سے بمبئی تک کے لیے ٹیکسی ۔"

" پونا ؟ "

" جی پونا ہوٹل ۔ بورڈ نہیں دیکھا آپ نے ؟ شاید رات کو کچھ زیادہ میرا مطلب ہے طبیعت خراب تھی ۔" وہ پھر کھیسیں کاڑھنے لگا ۔

" اوہ — ہاں ۔" وہ جھوٹ بولی ، " تو کیا سیٹھ جی

کا فون آیا تھا ؟ ''

وہ جی ہی جی میں سسک کر دعائیں مانگنے لگی : کاش سیٹھ جی کے گھر سے فون آیا ہو کہ رات کو ان کی بیوی کا ہارٹ فیل ہو گیا ۔ اور سوتے میں وہ بڑی پیاری لگتی ہے نا ، اس لیے انھوں نے اسے جگایا نہیں ، چپ چاپ اسے چوم کر چلے گئے ہوں گے ۔

'' کون سے سیٹھ ؟ ''

'' کموڈیا سیٹھ ۔''

'' کون ؟ رگھو مل جی کہ تیج مل جی ؟ ابھی پچھلی اتوار کو تو یہاں مل جی آئے تھے ۔ کسی زمانے میں شکنتلا بائی سے بڑے زور کا عشق چلا تھا ۔ وہ بڑے سیٹھ رونگٹا پر لٹو تھی اور ''

'' میں سورج مل جی کو کہہ رہی ہوں ۔'' نیلوفر جھلا گئی ۔ یہ مردے کتنے سیٹھ ہیں ؟ باپ ، بیٹے ، پوتے ، سب ہی اسی لت میں پڑے ہوں گے ۔

'' سورج مل جی ؟ ''

'' ہاں ۔''

'' تو ؟ ''

'' تو کیا — وہ رات کو آئے تھے ہمارے ساتھ ! ''

'' میڈم یہاں کوئی سیٹھ ویٹھ نہیں آئے رات کو ، آپ

اکیلی آئی تھیں ۔ شاید کوئی ٹکسی والا آپ کو اٹھا کر کمرے میں لے گیا تھا ۔''

ٹیکسی ڈرائیور ! بیلومر کا سر لٹو کی طرح سنسنانے لگا۔

نہیں — نہیں وہ سیٹھ جی ہی تھے ۔ وہ یونہی آسے گودلیا بھر کے اٹھا لائے تھے ۔ وہی تھے ۔ دھی نڑوں میں بسی ہوئی ڈکار بھی لی تھی انھوں نے ۔ وہی تھے — آسے لٹانے لگے تھے تو آس نے ان کے گریباں کو دانتوں سے پکڑ لیا تھا ۔ آسے اچھی طرح یاد تھا کہ وہ وہیں زمین پر پسر گئے تھے ۔

مگر نہیں ۔ '' آن کے '' گریباں میں تو ھیرے کے بٹن نہیں تھے ! تب تو وہ ٹیکسی ڈرائیور ہی تھا ۔ ایک دم آس کے پیر لرزنے لگے ۔ وہ چکرا کر برآمدے میں پڑی کرسی پر گر گئی ۔

'' میڈم ! '' مینیجر لپکا ، '' چلیے اپنے روم میں چلیے ۔''

'' مجھے کال کرنا ہے ۔'' ناشتے کے بعد اس نے بیرے سے کہا ۔

'' ضرور ضرور ۔'' مینیجر جیسے دروازے کے پیچھے ہی کھڑا تھا ، فوراً مسکراتا ہوا اندر آ گیا ۔ بیلومر آسے دیکھ کر چڑ گئی ۔ کمبخت کتنا مسکراتا ہے ، اس کے جبڑے بھی

نہیں دیکھتے ۔

" میرا پرس گاڑی میں سے گر گیا ۔ سیٹھ سے میں نے بہت کہا : روکو روکو ۔ مگر کہنے لگے ۔ لعنت بھیجو ۔ میں نے کہا : اس میں سات سو کے نوٹ ہیں ۔ بولے : لعنت بھیجو ۔" وہ جھوٹ کا تانا بانا جوڑنے لگی ۔ " پھر انہیں تار ملا کہ اُن کی بیوی کی حالت خراب ہے ۔"

حالانکہ وہ جانتی تھی سیٹھوں کی بیویوں کی نہ حالتیں کبھی خراب ہوں اور نہ وہ کبھی مریں ۔ مگر اپنے دل کو سمجھانے کے لیے داشتائیں شاید یہی خواب دیکھتی رہتی ہیں ۔ شاید ان کی بیویاں داشتاؤں کی موت کے حسین سپنے دیکھا کرتی ہوں گی ۔ حالانکہ ان سیٹھوں کے یہاں نہ بیویوں کا ٹوٹا ہے نہ داشتاؤں کا ۔ بیویاں نہیں مرتیں اور داشتائیں آ جاتی ہیں ، پہلی داشتائیں نہیں مرتیں کہ نئی آ جاتی ہیں ، جیسے ہر سال نئے ماڈل کی موٹر آ جاتی ہے ۔ نئے سال کی کچھ کمی نہیں رہی ۔

" مگر ٹرنک کال کی کیا ضرورت ہے ؟ یہ ہوٹل بھی تو آپ کا ہے ۔" مینیجر نے جذبات میں لتھڑی ہوئی آواز میں کہا ۔ نیلوفر میں چونکنے کی بھی صلاحیت نہیں رہ گئی تھی ۔ ٹرنک کال کرتے وقت خود اسے کوفت ہو رہی تھی ۔ اماں سوالات کی بوچھاڑ کر دیں گی ، بال کی کھال نکالنے لگیں

گی ، مکان کے کرائے اور بچوں کی فیس کا دکھڑا رونے لگیں گی ، کوڑی نہیں بھیجیں گی ۔ وہ جانتی ہیں ابھی میری چیک بک میں صفحے باقی ہیں ۔ چیک کہیں بھی ، کسی بھی " بینک " میں کیش کرایا جا سکتا ہے ۔ میں اتنا کنگال تو نہیں ۔

" تو شام کو ریس پر چلیے گا ۔" میں نے آنکھوں میں رس انڈیل کر کہا ۔

" ابھی ہمارے کپڑے " وہ ٹھمک کر بولی ۔

" کپڑوں کی فکر نہ کیجیے ۔" خوشی سے بے چارے کی گھگی بندھ گئی ۔

اسی وقت کرانسلر میں بیٹھ کر وہ میں بازار گئی ۔ دو تین ڈریں پائپ اور ٹی شرٹ ، نائیٹ سوٹ ، ایک ڈریسنگ گاؤن اور میک اپ کا سامان خریدا ۔ تین چار ساڑھیاں خرید کر بلاؤز سلنے دے دیے ۔ گھنٹہ بھر میں درزی نے تیار کر دیے ۔

ریس کورس پر گھوڑوں سے زیادہ مینیجر صاحب کی منہ زوریوں سے واسطہ پڑا ۔ وہ جلد سے جلد اپنی وصولی پر جٹے ہوئے تھے ۔ کئی واقف کار ، جو بمبئی سے ریس کھیلنے آئے تھے ، ملے ۔

" کہیے سیٹھ صاحب تو اچھے ہیں ؟ " رسماً کئی

لوگوں نے پوچھا ۔

" جی ہاں ۔" اس نے یونہی جواب دے دیا ۔ اسے یقین تھا کہ ان لوگوں کو قطعی نہیں معلوم کہ آج کل وہ کس سیٹھ سے وابستہ ہے ، مگر شاید اس کی کہانی اس کے چہرے پر لکھی جا چکی تھی کہ وہ سیٹھوں ہی کی گیند ہے ۔ مینیجر صاحب بھی اس بات پر سینہ تان کر چلنے لگے کہ آخر خدا نے اس قابل کیا کہ وہ بڑے آدمیوں کی سیکنڈ کلاس گاڑیوں کی طرح ان کی محبوبائیں بھی وقتی طور پر خرید سکیں ۔ آج تو مینیجر کی قسمت واقعی ساتویں آسمان پر تھی ۔ جو بھی نوٹ اس نے نیلوفر کے ہونٹوں سے لگا کر گھوڑے پر ڈالا ، دوگنا چوگنا ہو کر لوٹا ۔ اور جب نیلوفر انہیں اپنے ہونٹوں سے لگانے لگی تو وہ خود بھی دونے چوگنے ہو جائیں گے ۔ انہوں نے وہیں نیلوفر کو اس کا کمیشن بھی دیا ۔ مگر اس کے پاس پرس نہیں تھا ، اس لیے مینیجر نے اس کا حصہ رکھ لیا ۔ انہیں اس پر بے اختیار پیار آ رہا تھا ۔ وہ ان کی محبوبہ ہی نہیں ، بلکہ لٹو بھی تھی ، جس نے ان کی قسمت کو جگمگا دیا تھا ۔

گھوڑے دوڑ رہے تھے ۔ جاکی ان کی پیٹھوں پر بندروں کی طرح چپکے ہوئے تھے ۔ لال ، پیلے ، اودے ، نیلے بندروں پر ہجوم کی نگاہیں چپکی ہوئی تھیں ۔ ان کے ہاتھوں میں

سھے سھے چابک تھے اور حوتوں کی ایڑیاں گھوڑوں کے حساس رگ پٹھوں کو چھیڑ رھی تھیں ۔ بھڑکدار ساڑھیاں اچھل اچھل کر گھوڑوں کی همت بدھا رھی تھیں ۔ ایک بہایت سمید ، ھتی کی طرح موٹی ، پارسی لیڈی دھپا دھپ کود رھی تھی اور حوشں میں اپنے پاس بیٹھے ھوئے لمونترے سے شحص کو پیٹے ڈال رھی تھی ۔ مگر اسے کچھ حبر نہ تھی ۔ وہ اپنی سیٹ پر بالکل ایسے اچھل رھا تھا حیسے وہ بھی حاکی ھو اور حائے گھوڑے کے اونٹ کی پیٹھ پر سوار ھو ۔ دو بوحواں میاں بیوی هر ریس کے بعد آپس میں جھگڑنے لگیے ۔ یقیناً وہ میاں بیوی ھی ھوں گے ، کیونکہ اپنی ھار کا الزام وہ قطعی ایک دوسرے کے سر تھوپے حا رہے تھے ۔ یہ گھوڑوں کا بصیب ہے کہ حب تک دوڑتے رھیں ، حیتتے رھیں ، انھیں سونے کا بوالہ کھلایا حاتا ہے ، بوڑھے ھو حاتے ھیں بو گولی مار دی حاتی ہے ۔

ایک دم بیلوفر کو احساں صاحب کے الفاظ یاد آ گئے ۔ وہ بوڑھی تو بہیں ھو رھی ہے ؟ مگر کب تک بہ ھو گی ؟ دس سال بیت گئے ۔ آنے والے دس سالوں کا حیال کر کے اسے پسیہ آ گیا ۔ دس سال بعد وہ کیا کرے گی ؟ سیٹھ سورح مل کی عنایت سے بیٹی بالکل تھوا ہے ۔ رس کا گھوڑا تو شاید کبھی بہ بں سکے ، تانگے یا اکّے میں پہلے ھی حت حائے ۔

تو پھر یہ آنے والے دس سال اُس کے لیے کیا کچھ لائیں گے؟ سیٹھ کے بعد مینیجر -- اور؟ -- اور؟ کتنی سیڑھیاں ہیں اُترنے کو؟ اور آخری سیڑھی کے بعد کیا ہے؟ پکی زمین یا خلا؟

اس کا دل مسلنے لگا ۔ خاکی کا بوجھ اُس کے کندھوں پر اور بھاری ہو گیا ۔ بھاری بوٹ کی ایڑیاں کوکھ میں دھنسنے لگیں ۔ چابک دماغ میں کڑکنے لگے ۔ خاکی اس کی ممی ، احمد بھائی ، احسان صاحب ، سیٹھ جی ، ساری دنیا !

" اب چلیے ۔ " وہ ایک دم کھڑی ہو گئی ۔

" ارے ابھی اصل ریس شروع نہیں ہوئی ۔ "

" نہ ہو ، میری بلا سے ، میں تو جاتی ہوں ۔"

" مگر سنو تو ۔ بس یہ آخری ریس ہے ۔ پیسہ لگا دیا ہے ، چھوڑ کر کیسے چلوں؟ بس پانچ منٹ کی بات ہے ۔"

بیلومر نے ابھی کھلا دھندہ نہیں کیا تھا ۔ سورج مل جی کو تو وہ اپنا شوہر ہی بنا بیٹھی تھی ۔ بالکل گھرستن بن گئی تھی ۔ اس کے بعد بھی بالکل ہیاؤ نہیں اُٹھا تھا ۔ مینیجر آسے بڑی ہی نیچی سیڑھی معلوم ہو رہا تھا ۔ ٹیکسی ڈرائیور کو تو وہ سیٹھ ہی سمجھی تھی ، اس لیے اس کا ضمیر صاف تھا ۔ وہ اپنے دھن میں آسے بجائے ٹیکسی ڈرائیور کے ایک نامعلوم اور پر اسرار ہستی سمجھ کر اپنا دل بہلا

رھی تھی ۔ اس نے دماغ پر بہت زور ڈالنے کی کوشش کی ، مگر کچھ یاد نہ آیا کہ ٹیکسی میں کیسے آ گئی ؟ وہ تو سیٹھ کی گاڑی میں تھی کیا سیٹھ اسے ایک انجان ٹیکسی ڈرائیور کو پکڑا کر چلتے بنے ؟ ضرور کوئی راز ھے ۔ یہ کیسے ھو سکتا ھے ؟ مگر پھر یہ سوچ کر دل ڈوبنے لگتا : کیوں نہیں ھو سکتا ؟ سب کچھ ھو سکتا ھے ۔ معصومہ نیلوفر بن سکتی ھے ، امی جان نائکہ بن سکتی ھیں ، ابا جان سب کو بھول سکتے ھیں ، بھائی منہ موڑ سکتے ھیں تو پھر سیٹھ کون سا اُس کا سگا ھے !

میسحر کو ھضم کرنے کے لیے اُس نے اتنی شراب پی کہ اگر اُسے کتے کے ساتھ سونا پڑتا تو وہ اُسے بھی اُسی جوش سے چومتی ۔ اس دن اُس نے ہستی کی طرف بڑے لمبے ڈگ بڑھائے ۔ سک دھڑنگ سارے کمرے میں ناچتی پھری ۔ پھر غڑاپ سے گرم پانی سے لبریز ٹب میں کود پڑی ۔ میسحر کی بے تابیوں کو ٹھکرا کر وہ پانی میں ایڈتی رھی ۔ بڑی مشکل سے نکالا تو وہ وھیں کموڈ سے سر ٹکا کر بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی ۔ اُس کا نشہ اترنے لگا ۔ میسحر سے ڈر لگنے لگا ۔

" تم — تم میری عزت لینا چاھتے ھو کمینے ! بد معاش ! حرامزادے !" وہ غسل خانے کا سامان اٹھا اٹھا کر اُس

کے سر پر پھینکنے لگی۔

بیچارہ میجر سٹپٹا گیا اور کرسی پر گر کر پسینہ پونچھنے لگا۔ سب آسے اس پر بڑا رحم آیا۔ چوپائی پر ایک دن ایک لنگڑا کتا پڑا تھا۔ اس کے زخموں میں سفید سفید چاول جیسے کیڑے ھل رہے تھے۔ بیلوور اسے دیکھ کر دھاروں دھار رونے لگی تھی۔ میجر کی پھٹی پھٹی آنکھیں دیکھ کر اسے قے آ رھی تھی، مگر اس نے اس زخمی کتے کو یاد کیا اور اسے حکارنے لگی

"پچ پچ — موتی موتی —"

میجر سہما ھؤا، گھگھائی نظروں سے دیکھتا پھر اس کی طرف بڑھا۔ ڈرتے ڈرتے اس نے تولیہ سے اس کا بدن خشک کیا۔ وہ چپ رھی۔ پھر اسے چپ چاپ مسہری پر لٹا کر کمبل اوڑھا دیا۔ بیلوور ھنسنے لگی۔ اترتے ھوئے نشے سے ڈر کر اس نے جلدی جلدی پورا گلاس حلق میں اتار لیا۔ کمبل کو لات مار کر دور پھینکا۔ میجر بالکل چُر مُر ھو گیا۔ بیلوور نے سفید ھلتے ھوئی چاولوں کی ابکائی حلق میں گھونٹی اور اس کی طرف ھاتھ پھیلا دیے۔

تین روز میں اس نے اتنی شراب پی کہ ساری عمر کی ملا کر اتنی نہ پی تھی۔ اسے معلوم ھؤا میجر اتنا مشکل نوالہ نہیں کہ گھونسا مار کر حلق کے پار نہ کیا جائے۔ پرس

خریدنا بھول گئی ، ورنہ وہ غریب تو اس کے حصے سے کہیں زیادہ دے رہا تھا ۔ خیر چلتے وقت لے لے گی ۔ آسے پیسے رکھنے کا سلیقہ نہ تھا ۔ پرس سجاوٹ کے لیے ھاتھ میں پکڑ لیتی تھی ۔ اس نے تو برسوں سے روپیہ غور سے دیکھا بھی نہ تھا ۔ سکے ڈھالنے کی مشین کی طرح وہ روپیہ بناتی تھی ، جسے ممی بڑے سلیقے سے رکھتی تھیں ۔ اس نے کتابوں میں پڑھا تھا : ماں اپنی اولاد کی خاطر دنیا بھر کے دکھ اٹھاتی ہے ۔ چکی پیس کر ، سلائی کر کے بچوں کا پیٹ پالتی ہے ۔ مگر اس کی ماں نے تو چکی چھوڑ کبھی صندل بھی نہ گھسا ۔ نانی جی نے پال پوس کر بڑا کیا ۔ ھمیشہ پھپھیوں ، خالاؤں نے سویٹر بنے ، فراکیں سیں ۔ استانیوں نے پڑھایا ۔ ھاں مجبوراً نو مہینے پیٹ میں ضرور رکھا ۔ ان کا بس چلتا تو کسی انا یا دائی کے پیٹ میں ھی اسے پلوا لیتیں ۔ بس ان نو مہینوں کا وہ کرایہ وصول کر رھی تھیں ، مع پگڑی کے ۔

بس وہ دعا مانگنے لگی کہ اللہ کرے ممی مر گئی ہوں ۔ سفید سفید کفن میں ان کا پھولا ہؤا چہرہ دیکھ کر اسے بڑی ھنسی آئے گی ۔ پھر وہ ان کی بڑی مضبوط اور پکی قبر بنوا کر اس پر لوبان جلوائے گی ۔ پھر بچوں کی فیسوں کے تقاضے ختم ھو جائیں گے ۔ ربیدہ کی شادی کے لیے روپیہ کی ضرورت نہ رہے گی ۔ آخر وہ ان کے بچے کیوں پال رھی ہے ؟

وہ بھی ان کی لڑکی ہے ، ان کا خصم تو نہیں۔ پھر وہ اسے خصم سمجھ کر تقاضے کیوں کرتی ہیں ؟

سارا دن وہ پڑی سوتی رہتی ۔ شام کو کرائسلر میں سیر کو جاتی ۔ چھ سات بجے لوٹ کر پینے کا پروگرام شروع ہو جاتا ۔ رات گئے تک عیش رہتے ۔ چوتھے دن اسے ایسا معلوم ہؤا وہ برسوں سے اسی میبحر کے ساتھ رہ رہی ہے ۔ رہتے رہتے جی گھبرا چکا ہے ۔ دن کتنے لمبے ہیں ، راتیں شیطان کی آنت کی طرح کتنی طویل ۔ خواب کتنے الجھے ہوئے ، کتنے نا تمام !

جب بور ہو جاتی تو میبحر کو گالیاں دینے لگتی ۔ جوتے مارتی ۔ پھر جب وہ لنگڑے کتے کی طرح مری مری نظروں سے اس کی طرف دیکھتا تو ہنس کر اس کے سینے سے لگ جاتی ۔ یکسانیت سے تنگ آ کر وہ بمبئی جانے کو تیار ہو گئی ۔ میبحر کی گھگی بندھ گئی ۔ اس کا دل بہلانے کے لیے اسے پرائیویٹ فرینچ فلم دکھائے ، جنہیں دیکھ کر اسے سچ مچ الٹی ہو گی اور وہ اس کے منہ پر تھوک کر غسلخانے میں بند ہو گی اور کموڈ سے سر ٹکائے ، زمین پر بیٹھی ، گھنٹوں روتی رہی ۔ یہاں تک کہ اس کی آنکھوں سے پانی نکلنا بند ہو گیا ، جیسے سوتے سوکھ گئے ہوں ۔

" یہ کیا حماقت ہے ؟" پھر خود ہی اس نے سوچا اور

بجھے دل سے آ کر پلنگ پر پڑ گئی - سر میں درد ہو رہا تھا - دل میں وحشت کے طوفان اٹھ رہے تھے - وہ ایک دم پلنگ پر اٹھ کر بیٹھ گئی - کمرے میں اندھیرا رینگ آیا تھا - مینیجر نوکروں پر غصہ اتار رہا تھا - لوگ کمروں میں بند بیٹھے نہ جانے کیا کر رہے تھے - الماری میں پڑی بوتل میں مشکل سے ایک پیگ نکلا - چڑ کر اس نے گھنٹی بجا کر بیرے کو بلایا -

" ہم کو ٹیکسی لا کر دو - بمبئی جانے کا ہے -"

" بمبئی کا گاڑی اس وقت نہیں جائے گی -"

اوہ ! اس کے نصیب کی گاڑی کب جائے گی ؟ اس کا جی گھبرانے لگا - وقت کاٹنے کے لیے پلنگ پر پڑے پڑے اس نے پہلے بیئر اور پھر وھسکی پینی شروع کر دی - مینیجر جب سہما سہما آیا تو وہ گندی گندی باتیں کر کے ھنسنے لگی - پھر وھی فلم ، جسے دیکھ کر اسے الٹی ہو گئی تھی، دیکھنے کی ضد کرنے لگی -

اس دن تو مینیجر نشے میں تھا ، آج بیلو نشے میں تھی -

" اگر کسی نے رپورٹ کردی تو میرا ہوٹل بند ہو جائے گا - " وہ بہانے کرنے لگا - گئے سال نہ جانے کس نے خبر کر دی ، پولیس نے میرا ناطقہ بند کر دیا - وہ تو بیچ میں نواب صاحب پڑے تب جا کر کہیں پیچھا چھوٹا ،

ورنہ تڑی پار کر دیتے ۔ نواب صاحب نے کہا : میری نظم ہے ۔"

" پھر ؟ "

" پھر کیا ؟ مٹھی گرم کر دی ۔"

" پھر ؟ "

" ارے پھر سالے خود بھی بیٹھ کر دیکھنے لگے ۔"

فلم دیکھ کر پھر نیلوفر حواس باختہ ہو گئی ۔

" اُف ! کمبخت کیوں دیکھتے ہیں ؟ موت آئے نا مرادوں کو ! "

" دل کے بہلاوے کے لیے ۔ دوسرے ۔ "

" دوسرے کیا ؟ "

مینیجر نے مسکرا کر اسے دیکھا ۔

" جانے دو ۔ "

" بتاؤ نا ۔ تمھیں ہماری قسم ۔"

" سورج مل جی کو شوق نہیں ؟ "

" کس بات کا ؟ "

" کیوں بن رہی ہو ؟ "

مینیجر نے اسے بتایا کہ بہت سے ہوٹل میں ٹھیرنے والوں کو عجیب عجیب شوق ہوتے ہیں ۔ لوگ بمبئی میں جب کاروبار سے تھک جاتے ہیں تو یہاں جی بہلانے کو آجاتے

ہیں۔ اگر کوئی ہوٹل لڑکیاں اور شراب نہ مہیا کرے تو
چار دن میں اجڑ جائے۔"

"لڑکیاں کہاں سے بلواتے ہو؟"

"ارے ہمیں بلوانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ لڑکیاں خود
یا اُن کے دلال اُلٹا ہمیں کمیشن دیتے ہیں کہ ہم انہیں
سیٹھوں تک پہنچا دیں۔ کچھ پہلے ہی سے انتظام کر کے
آتے ہیں۔ میں خود کوئی چیز نہیں سپلائی کرتا۔ بیرے
سب معاملہ ٹھیک کر دیتے ہیں۔ اس میں ذرا دوسری طرف
دیکھنے لگتا ہوں۔"

"کسی دن دھر لیے جاؤ گے۔"

"ابھی ایسی کچی گولیاں ہم نے نہیں کھیلی ہیں۔ چار
کھونٹ چوکس معاملہ نہ ہو تب تک میرے نوکر بھی
منہ نہیں لگاتے۔ باقاعدہ رجسٹر میں خانہ پری رہتی ہے۔
افسروں کو کھلانا پلانا بھی پڑتا ہے"

"وہ کیوں؟"

"اس لیے کہ بیکار کو تنگ نہ کریں۔ وہ تو کھوٹا
دھندہ نہ بھی کرو تب بھی ہم لوگوں کی بڑی آفت ہے۔
کھلاؤ نہ تو آئے دن پریشان کرتے رہتے ہیں۔ سالا ہیڈ
بیرا بڑا تنگ کیا کرتا تھا۔ بیوی کا لفڑا شروع کر دیا۔
میں نے بہت سمجھایا کہ میرے آدمیوں کو کبھی بگار کی

دیری نہیں ہوتی ۔ مرے سے جتنا چاہو پیٹ بھر کھانا کھا لو ۔ ٹپ میں مینجمنٹ کا جو آنے شیئر ہے ، وہ تو خیر کوئی بات نہیں ۔ مگر سالے نے پیر نکالنے شروع کر دیے ۔ آٹھ سال سے میرے ساتھ تھا ، کبھی کوئی شکایت نہیں ہوئی ۔ آپ ہی آپ نہ جانے کیا دماغ میں کیڑا رینگا کہ آنٹی سیدھی ہانکنے لگا ۔ میں نے کہا : سالے ایسی تیسی تیری اور تیری بیوی کی ۔ بس میں نے تین چار ، جتنے بھی اس کے گرگے تھے ، سب کو نکال باہر کیا ۔ ارے حضور انہوں نے تو ہوٹل کے سامنے ستیہ گرہ شروع کر دی ۔ آنے جانے کو ہلکان کرتے ۔ بس میں نے آٹھا کے درست کر دیا ۔"

" کیسے جی ؟ " بیلوفر کو مینیجر کی ڈینگوں میں بڑا مزا آ رہا تھا ۔

" پورے کا پورا بکس پکڑوا دیا بدیسی شراب کا سالے کے گھر میں ۔"

" اے ہے ۔"

" ہزار پانچ سو کا خرچہ ہؤا تو کیا ؟ سارا عملہ خوش ہو گیا ۔"

" کیوں ؟ "

" کورٹ میں تو ایک ہی بوتل کافی تھی ، سو پیش کر دی گئی ۔ باقی کا بکس یہیں ، اسی ہوٹل میں لا کر

کلچھرے اُڑا نے سالوں نے ۔"

" کیسے بد ذات ہو تم لوگ ۔ اور یہ اینٹی کرپشن والے کچھ نہیں کہتے ان کمبختوں کو ؟ "

نیلوفر خود عرق پی رہی تھی ، مگر اُسے غصہ آگیا ۔

" ارے کیا اینٹی کرپشن ۔ اپنے یہاں کوئی معمولی لوگ ٹھیرتے ہیں ۔ اپنی بڑے بڑوں سے ذات کافی روئی ہے ۔ مجال ہے جو چوں بھی کر جائے کوئی ۔ ہاں بس اتنا فرق ہؤا ، پہلے ایک کو بھگتنا پڑتا تھا ، اب دو کو ۔"

" یعنی کرپشن اور اینٹی کرپشن ؟ "

" ہاں جی ۔ "

اُس رات نیلوفر نے کئی اور سیڑھیاں پھلا نگ ڈالیں ۔ مینیجر صاحب کے زیرِ سایہ اُس نے اُن فلموں سے فن سیکھا ۔ پہلی مرتبہ گانجے کی سگریٹ پی اور مورفیا کا انجکشن بھی آزمایا ۔ دو چار دفعہ دیکھنے کے بعد اُسے اُن فلموں میں مزہ آنے لگا ۔ اُس کا جسم ہی نہیں روح بھی ننگی ہو گئی ۔ وہی نیلوفر ، جو کبھی معصومہ تھی اور ایک دفعہ اُس کی خالہ جان نہاتے میں غسل خانے میں گھس آئی تھیں تو ایسے پھوٹ پھوٹ کر روئی تھی جیسے وہ کانچ کی بنی ہوئی تھی اور کسی نے پتھر سے چکنا چور کر دیا ۔ خالہ جان نے قسمیں کھائیں کہ غسل خانے میں اندھیرا تھا ، انہیں کچھ

نظر نہیں آیا ، مگر اس کا جی نہ ٹھہرا ، کیونکہ اُس نے تو محسوس کیا تھا ۔ آج اُس کی دنیا لگی ناچ رہی تھی اور عفریت تال دے رہے تھے ۔

شام کا وقت تھا ۔ نیلوفر کا بدن ٹوٹنے لگا تھا اور بے طرح جمائیاں آرہی تھیں ۔ وہ جس دن سے پونا آئی تھی گھر کی کوئی خیر خبر نہیں ملی تھی ، نہ ہی اُس نے کوئی اطلاع ی ۔ ممی گھبرا تو نہ رہی ہوں گی ؟ وہی ممی جو اُسے ایک ن کے لیے پھوپی کے ہاں بھیجتے جھجکتی تھیں ، کیونکہ اُن کے وان جوان بیٹے تھے ۔ وہ آج اتنے دن سے غائب تھی مگر شاید اُنہیں فکر نہ تھی ، جیسے وہ عورت ہی نہیں ، اُس کی عصمت ہی نہیں ۔ ایک آبروباختہ عورت کی ماں کو کیا ر ؟ یہ بھی تو ڈر نہیں کہ کوئی اُس کا گلا ہی گھونٹ ے گا ۔ کوئی کاٹ کر ندی میں بہا دے گا ۔ اب وہ اُن کی ک نہیں ، چوراہے کی ناک تھی ، جو جڑ سے کٹ چکی تھی ۔

اتنے میں مینیجر صاحب حواس باختہ بھاگے آئے ۔

"غضب ہو گیا ۔"

"کیا ہؤا ؟"

"راجہ صاحب آئے ہیں ۔ یہ سورج مل سالا پکا امی ہے ۔"

"کیا ہؤا ؟" نیلوفر نے چڑ کر پوچھا ، "کیا

اوٹ پٹانگ بک رہے ہو ؟ کون آجڑے راجہ صاحب آ گئے ؟ اور آ گئے تو تم کاہے کو بولا رہے ہو ؟ "

" نہیں تو ۔" میجر صاحب بغلیں جھانکنے لگے ۔ مگر پھر جھلا کر بولے ۔ " سالا کہتا ہے حکا دو ۔ اس کی تو ماں کی "

" چولھے میں جاؤ ، مرو ۔ نہ جانے کیا ہانک رہے ہو ۔ کسے حکا دو ؟ "

" تمھیں ۔" روہانسی آواز میں بولے ۔

" اے جی میں جاگ تو رہی ہوں ۔" کاش وہ جاگ نہ رہی ہوتی ، یہ ایک بھیانک خواب ہوتا ، دس برس لمبا ، جلتا ، سلگتا دوزخ کا خواب — اور وہ جاگ پڑتی ۔ کتابیں اٹھا کر وہ ممی سے ٹھنک کر کہتی : " آج ہسٹری کا ٹیسٹ ہے ۔ ناشتہ دینا ہے تو جھٹ پٹ دے دیجیے ، ورنہ میں جاتی ہوں ۔ مگر نہیں ۔ شاید وہ سوئی ہی نہیں ۔ کبھی نہیں سوئی ۔ اور نہ کبھی کنوار پتے کی دوشیزہ نیند پھر اس کی آنکھوں کو چومے گی ۔ وہ یونہیں آنکھیں پھاڑے خلا کو تکتے تکتے ایک دن سرد ہو جائے گی ۔ پھر منوں مٹی تلے اس کے سارے سپنے ٹوٹ کر سفید ہلتے ہوئے کیڑے بن جائیں گے ۔

پھر میجر نے بتایا کہ سورج مل نے اسے نواب صاحب کو بخش دیا ۔ بخشا کیا ، وہ دو چار ماہ کے لیے مع بیوی

چوں کے ھانگ کانگ ، سنگا پور وغیرہ جا رہے ہیں ۔ ابھی تو بیوی بچے جا رہے ہیں ، وہ دھلی سے سیدھے پہنچ جائیں گے ، شگوفہ کے ساتھ ۔ فلم ابھی تو ٹھپ پڑی ہے ۔

" میری فلم کو ٹھپ کرنے والے وہ ہوتے کون ہیں ۔ ایسی کی تیسی ان کی ۔ اور شگوفہ کو نکال باھر کروں گی مردار کو ۔ سب کچھ تو میرے ھاتھ میں ہے ۔"

" وہ تم جانو ۔ اب اس وقت راجہ صاحب کا کیا ہوگا ؟"

" ہوگا تمھارا سر ۔"

" وہ تمھیں لینے آئے ہیں ۔" میبحر نے سسکی لی ۔

" مجھے کیوں لینے آیا کتا ؟"

" ارے آھستہ بولو ۔"

" کیوں آھستہ بولوں ؟ اس کا دیا کھاتی ہوں ؟ "

" کچھ ایسا ہی معاملہ ہے ۔ وہ تمھاری ماں کو مہینہ کا خرچہ دے آیا ہے ۔"

" کیا ؟ "

" تم خود بات کر لو ۔"

" میں نہیں کرتی بات وات ۔ تم انکار کر دو ۔"

" انکار کر دو ؟ مگر .. "

" کہہ دو ہم شادی کر رہے ہیں ۔"

" ارے رے یہ کیا ؟ کیا کہہ رہی ہو؟ وہ میرا سر

کہا جائے گا - جاتی ہو بڑے بڑے عہدے داروں اور منسٹروں کا لنگوٹیا یار ہے - سب کہنے کی باتیں ہیں کہ راجے مہاراجے ختم ہو گئے - اب نے مکری کی زندگی مل گئی ہے - نہ ریاست کی پروا نہ کچھ - مرنے سے پندرہ لاکھ پاکٹ میں مل جاتی ہے، عیش کرتے ہیں سالے - اس ہوٹل پر بہت دنوں سے دانت ہے - میں نے بڑی ستی کری کہ میری روزی کا ٹھیکرا ہے، ورنہ وہ تو اسے آج پگڑی دے کر خرید لے - پانچ سال کا میرا کانٹریکٹ ہے، ختم ہو رہا ہے - بلا کا کمینہ ہے -"

" مگر میں تو اس کے ساتھ نہیں جانا چاہتی -"

" وہ وہ کہتا ہے نکال دو -"

" کیا کہتا ہے — نکال دو ؟ اس کے باپ کا ہے ہوٹل ؟ حرامی پلا !"

" ہو سکتا ہے - کہتے ہیں بڑی رانی صاحبہ سے مسٹر اصغر کا بڑا یارانہ تھا -"

" کون مسٹر اصغر ؟ "

" اس ہوٹل کے مالک کا چچا - بے اولاد مرا، سب بھتیجے کو دے گیا - رانی صاحبہ نے اسے بہت دیا تھا -"

" ہوں — تو پھر نکال دو -"

" یہ کیسے ہو سکتا ہے ؟ نہیں بیلوفر بائی -" میجر

کی آنکھیں بھر آئیں ۔ " میں نے بڑی منت سماجت کی ، سالا ٹھوکریں مارنے لگا کہ ہماری ریس کرتے ہو ۔ وہی ابھی شیوں گھاٹیوں تک رہو ۔ دماغ خراب ہوا ہے ۔ کہو ، سالے ہم بھی تو انسان ہیں ۔ دل آجائے تو کوئی کیا کرے ؟"

" تو پھر کیا کرو گے ۔"

" یہی تو تم سے کہہ رہا ہوں ۔ تم ہی بتاؤ ۔"

" مگر میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آرہا ہے ۔"

" اب میں کیسے سمجھاؤں تمھیں ۔"

اتنے میں بیرے نے دروازہ کھٹکھٹایا :

" راجہ صاحب بولتے ہیں ہم کو دیر ہوتی ہے ۔"

" ہاں ہاں ابھی آتی ہیں ۔ نہا رہی ہیں ۔ چلو جلدی سے تیار ہو جاؤ ۔ اٹھو ۔" انھوں نے پھسلتے ہوئے ڈریسنگ گاؤن کا گریبان بند کر کے کہا ۔

" نہیں جاتی ۔" نیلوفر نے سارے بٹن کھول دیے ۔ مینیجر کی گھگی بندھ گئی ۔ اس کے پسینے میں تر گیلے گیلے ہاتھ ڈریسنگ گاؤن کے پٹ بھیڑنے کے بجائے جھکنے لگے ۔

" سنو ۔" اس نے گردن پر سے اس کی رال پونچھتے ہوئے کہا ۔

" کیا ؟ " مینیجر صاحب کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے ۔

" چلو غسل خانے سے نکل کر بھاگ چلیں۔"

" نہیں ۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے ؟ مار ڈالے گا ۔" ان کی حالت اس چور بچے کی سی تھی جو مالی کے ڈر سے بھاگتا جاتا ہے اور پھل بھسوڑتا جاتا ہے ۔ آدھا پورا جو بھی ہاتھ لگ جائے ۔

" کیوں نہیں ؟" نیلوفر نے انہیں پرے دھکیل کر کہا ۔

" وہ وہ بات یہ ہے کہ وہ تم تیار تو ہو جاؤ ۔"

" پہلے بتاؤ کیوں نہیں ؟ کیا میں تم کو پسند نہیں ۔"

" ہو پسند ۔"

" میرے اوپر جان جاتی ہے ؟"

" جاتی ہے !"

" میرے بنا جی نہیں سکتے ؟"

" نہیں جی سکتا !"

" تو پھر چلو بھاگ چلیں ۔"

" نہیں مگر "

" کیوں ؟ اگر مگر کا ہے کی ؟ "

" وہ بات یہ ہے ، اب تمہیں کیسے سمجھاؤں ؟"

" تم نے اتنے پیسے خرچے میرے اوپر ، تمہارا بھی تو کچھ حق ہے ۔"

" ہاں وہی تو کہہ رہا ہوں اس وقت مجھے بچا لو۔ بڑی مصیبت میں پھنس گیا ہوں ۔"

" کیا سب دے دیے اس نے ؟ " ملوہر نے اس کی ہچکچاہٹ سے تاڑتے ہوئے کہا ۔

" ہاں ۔" مینیجر صاحب نے آنکھیں چرا کر چھت کی طرف دیکھا ۔

" اوپر سے کتنے ؟ "

" کچھ بہت نہیں ۔"

" کتنے ؟ بتاؤ ۔" اس نے لات مار کر کہا ۔

" دس ہزار ۔" مینیجر صاحب اس کی زد سے بچ کر دور ہو گئے ۔

" تو واپس کر دو ۔"

" واپس ۔ وہ نہیں لے گا ۔"

" تم سب ہڑپ کر جاؤ گے ۔ مجھے چاہتے ہو تو واپس کر دو ۔ نہیں کر سکتے ؟"

" میں مجبور ہوں ۔"

" مجبور ہو ؟"

" ہاں ۔ میں غریب آدمی ہوں ، بال بچوں والا ہوں ۔ مالک مجھے بڑا تنگ کرتا ہے ۔ اس روپے سے میں ایک چھوٹا سا ہوٹل کھول لوں گا ۔ اس نا مراد سے پیچھا

چھونے کا ۔"

" تم بال چھون والے آدمی ہو؟"

" ہاں بائی ۔"

" اور مجھ پر مرتے ہو؟" چپ!

" میرے بغیر جی نہیں سکتے؟" چپ!

" میرے اپنے جان سے سکتے ہو مگر روپیہ واپس نہیں کر سکتے؟"

" مگر اس سے کیا ہوگا ۔ وہ بڑا ضدی ہے ۔ میں اس سے کیسے ٹکر لے سکتا ہوں؟"

" اچھا تو اس پیار کی خاطر ایک بار میرے ہونٹ تو چوم لو ۔"

مینیجر بھڑکا ۔

" دام نہیں خرچنا ہوں گے ۔ مفت ۔ بس ایک بار ۔ لو مجھے باہوں میں لے لو ۔" اس نے ڈریسنگ گاؤن کرسی پر چھوڑ دیا اور کھڑی ہو گئی ۔

اور جب مینیجر صاحب نے گیلے گیلے رال میں تر ہونٹ اس کے قریب آئے تو اس نے اپنے دل کا سارا غصہ ، ساری ہتک منہ میں سمیٹ کر اس کے چہرے پر تھوک دیا ۔

" بھئی واہ!" راجہ صاحب دروازے میں کھڑے آنکھوں سے ٹٹول رہے تھے ۔ مینیجر سٹ سے باہر نکل گیا ۔

'' دراصل مصور سارا میرا ہے ۔'' انھوں نے ٹھوکر سے دروازہ بھیڑ دیا اور بڑی بے تکلفی سے پلنگ پر اس کی طرف پیٹھ کر کے بیٹھ گئے ۔ '' وہ سالانہ مشاعرے کی صدارت کرنا تھی ، اُدھر پھنس گیا ۔ بہت کہا ۔ بھئی کسی اور کو پکڑو ۔ مگر نہیں صاحب ، سر ہو گئے کہ حضور آپ کے سوا اس مشاعرے کی صدارت کوئی نہیں کر سکتا ۔ ورنہ کہیے تو مشاعرہ ہی ملتوی کر دیں ۔ اب میں نے سوچا ۔ چیریٹی فنڈ کا مشاعرہ ہے ، جہنم جاؤں تو اچھا ہے ۔ پھر تم جانو جب شعراء جمع ہوں تو کچھ پینے پلانے کا پروگرام چلتا ہی ہے ۔ پھر میں دعوت نہ کرتا ، نہ کیسے ہو سکتا ہے ؟ بس اسی میں اتنے دن لگ گئے ۔''

نیلوفر ڈریسنگ گاؤن کے بند باندھتی وہیں کرسی پر بیٹھ گئی ۔ اس نے کئی دعوتوں ، پارٹیوں اور مشاعروں میں راجہ صاحب کو دیکھا تھا ۔ ساٹھ باسٹھ کا سن ، مگر لوہے کی لاٹھ بنے رکھے تھے ۔ رنگیں مزاج تھے ۔ جب سے ریاست چھٹی تھی محل کی لونڈیاں تو بہت سی ادھر اُدھر ہو گئی تھیں ۔ ادھر ادھر کہاں ، سیدھی عیش گھر جا پہنچی تھیں ۔ جو ذرا سلیقے والی تھیں انھوں نے شادیاں کر ڈالی تھیں ۔ باقی وہی دھندہ وسیع پیمانے پر کر رہی تھیں ۔ اب راجہ صاحب کا ٹیسٹ بھی بدل گیا تھا ۔ نام کی فلم اسٹاروں اور تباہ حال

خاندانی بہو بیٹیوں میں دلچسپی لینے لگے تھے ۔ گانا سننے کا بڑا شوق تھا۔ راجہ ہوتے ہوئے بھی جدید ترین سرمایہ‌داری دماغ کے مالک تھے اور بڑی تیزی سے بمبئی اور دوسرے بڑے شہروں میں جائیداد بنا رہے تھے ۔ کئی بڑی ولایتی فرموں میں حصے تھے ۔ ملا بارہل اور پیڈر روڈ پر فلیٹ بنا بنا کر اونچی پگڑی پر اٹھا رہے تھے ۔ انہیں اینگلو انڈین اور یورپین عورتوں سے کراہت آتی تھی ۔ اس معاملے میں وہ انتہائی دیسی تھے ۔ ہمیشہ بدیسی مال پر دیسی مال کو ترجیح دیتے تھے ۔ ہوم انڈسٹری کے اس صیغہ کو ان کی ذات سے بڑی ترقی ملی ۔ نیلوفر پر ان کی عرصے سے نظر تھی مگر سورج مل ھیر پھیر کر رہا تھا ، کیونکہ شگوفہ سے پہلے وہ واقعی نیلوفر کو چاہتا تھا ۔ انہیں سورج مل کی ایک گھوڑی بھی پسند تھی ، مگر وہ کسی قیمت پر بھی بیچنے کا ارادہ نہ رکھتا تھا ۔

”سورج مل جی اس گھوڑی کو الگ کرنے کا جب کبھی ارادہ ہو تو مجھے بتائیے گا ۔“ وہ ہمیشہ کہا کرتے تھے ۔ آخر انہوں نے اونچی قیمت لگا کر سورج مل کا ارادہ کروا ہی لیا ۔ انہیں نیلوفر بھی مل گئی اور گھوڑی بھی ۔ صرف سورج مل کی زیرِ تکمیل فلم مع سارے گھاٹے کے خریدنا پڑی ۔ اس قسم کی خرید و فروخت آپس میں ، دوستوں میں ،

ہؤا ھی کرتی ھے ۔ اس فلم کی قیمت وہ جب چاھیں کھری کر سکتے ھیں ۔ فلم انشورڈ ھے ،گودام انشورڈ ھے ۔ کسی دن بھی آگ لگ سکتی ھے اور مال سے دوگنا نقصان دکھایا جا سکتا ھے تا کہ بڑھتے ہوئے منافع کا کچھ حصہ ادھر ڈوبتا دکھایا جا سکے ۔ یہ سب بزنس کے گرُ ھیں ۔ ان کی دادر والی کپڑے کی مل میں اتنا منافع ہؤا کہ چھکے چھوٹ گئے ۔ اچھی قیمتی مشین راتوں رات وھاں سے اٹھوا کر آگ لگوا دی ۔ بعد میں وھی مشین کسی دوسرے کی کہہ کر دوگنی قیمت پر خرید لی ۔ کچھ کھپلا ہؤا تو شاندار دعوتیں کیں ، یارانے کام آئے ۔ مصیبت یہ ھے کہ راجہ صاحب جس کمپنی کا حصہ لے لیں وہ سونا اگلنے لگتی ھے ۔

”مگر وہ فلم آپ نے کیسے خریدی؟ وہ تو میری ھے ۔“ نیلوفر نے کھانے پر کہا ۔

”ھاں وھی فلم جو تم نے سورج مل جی کو بیچ دی ۔“

” میں نے تو جا کب نہیں بیچی ۔ “

” میں کچا کام نہیں کرتا ۔ میرے وکیل نے بڑی چھان بین کر لی ھے ۔ تم نے سورج مل جی کو ھنڈیاں لکھ کر دی تھیں ۔“

” ھنڈیاں ؟ نہیں تو ۔“

” تم نے کبھی دستخط دیے تو ہوں گے کسی رسید پر ۔“

" نہیں - ہاں وہ بھوں کو میں جانی تھی اور کبھی سٹوڈیو کے متعلق کو پراپرٹی آتی تھی - اس کے علاوہ صرف پکچر کی سیل کے وقت دستخط کیے ، تو وہ سب وکیل دیکھ لیتا تھا -"

" تمہارا وکیل یا سورج مل کا -"

" اے بھئی میرا وکیل - احسان صاحب - اوہ !" وہ ایک دم سناٹے میں رہ گئی -

" احسان صاحب ! ایک حرامی ہے -"

" مگر جب تک تو ہمارا جھگڑا بھی نہیں ہؤا تھا -"

"سمجھ میں نہیں آتا اس میں جھگڑے کو کیا دخل ہے - سورج مل جی کچھ پیسہ تمہارے نام سے برنس میں لگانا چاہتے ہوں گے ، مگر ابھی تو ہیں نہیں ، اپنی پوزیشن پکی کر لی ہوگی -"

اور لوگ کہتے تھے نیلوفر نے سیٹھ کو پھانسا ہے ، دونوں دونوں ہاتھوں سے لوٹ رہی ہے -

" اُنہہ ، جانے دو - وہ کمبخت بڑا ہی چلتا پرزہ ہے - تم جیسی بھولی لڑکی ہاتھ لگ گی - حال ہی میں تم نے نام ان کے نام کی ہے - تمہیں یاد نہ رہا ہوگا -"

اور نیلوفر کو یاد آ گیا اس دن زیور بیچا کو جب سیٹھ نے اپنی ہوس کی پوجا کی تھی تو اس کے دستخط ایک

دستاویز پر لیے تھے ۔

" گدھی کی بچی!" اس نے اپنے وجود کو گالی دی ۔ سیٹھ کے ہاتھ اسے بچھوؤں کی طرح جسم پر رینگتے محسوس ہوئے اور اس نے پھریری لی ۔

" اوہ سمجھا ۔ تو تمھیں پتہ بھی نہیں چلا ۔ بھئی یہ کموڈیا کم بخت جینیس ہے ۔ میری تو عقل دنگ رہ جاتی ہے جب اس کے کارنامے سنتا ہوں ۔ اتنا لمبا چوڑا کاروبار ہے مگر کس خوبی سے معاملہ نبٹاتا ہے کہ کوڑی انکم ٹیکس کی آنچ تک نہیں بھری ۔ یہ انکم ٹیکس والے دس اور پندرہ روپے تو بڑی دھوم دھام سے وصول کرتے ہیں ، مگر یہ جو فلم آرٹسٹ لاکھوں بلیک لیتے ہیں اسے نہیں پکڑ پاتے ۔ ڈھائی ہزار سے تین سوا تین ہزار آمدنی والے کی جان کو لاگو ہو جاتے ہیں ۔ اگر سی ۔ آئی ۔ ڈی انہیں گرفتار کرنا چاہے تو سو طریقے تو میں بتا سکتا ہوں انہیں گھیرنے کے ۔ دراصل اس کا بیوپار سیکڑوں ناموں سے پھیلا ہوا ہے ۔ جتنی لڑکیاں رکھتا ہے ان کے نام سے ساری چار سو بیس کرتا ہے ۔"

" یا بیوی کے نام سے کرتا ہے ۔"

" نہیں ۔ اس معاملے میں وہ بڑا شریف آدمی ہے ۔ بیوی کے سیف ڈپارٹ میں صرف سونا اور جواہرات ہیں ۔"

راجہ صاحب صاف اور کھرے آدمی تھے۔ انہوں نے صاف بتادیا کہ معاملہ قطعی بیوپاری ہے۔ انہیں کبھی عورتوں کی کمی نہیں رہی ، نہ رہے گی ۔ انہیں عرصہ سے ایک ایسی لڑکی کی تلاش تھی جو اونچے طبقے میں سوسائٹی لیڈی کی طرح آ جا سکے۔ انہیں سرکاری حلقوں میں کام پڑتا ہے ۔ وہاں یہ کھرا مال ، جو یوں پن یا گلابو وغیرہ میں ملتا ہے، قطعی نہیں چلتا ۔ انگریزی بولی آتی ہو، مگر ہندوستانی کلچر سے واقف ہو ۔ پروں کا چھتہ سر پر سجائے ، مگر دونوں ہاتھ جوڑ کر نمستے کرے یا لکھنؤ کی نواب زادیوں کی طرح آداب عرض کہے ۔ ہیڈ لوم کی ساڑھی پہنے، مگر کاک ٹیل کا پیمانہ نازک انگلیوں میں تھام سکے ۔ کچھ ایسا کیچومر ہو کہ ہر قوم کا فرد مسحور ہو سکے ۔ جسے جاہل ہندوستانی دیکھیں تو انگریز سمجھیں ، اور انگریز اسے اجنتا کی گپھاؤں سے نکلی ہوئی کوئی حوروں کی شہزادی سمجھیں ۔ پھر ساتھ میں کسی بھاری بھر کم خاندان کی شان و شوکت بھی ہو ۔

آمدنی کم و بیش وہی رہے گی جو کموڈیا جی کے زمانے میں تھی ۔ ساتھ میں سوسائٹی میں عزت ملے گی ، سو الگ۔ یوروپین لوگوں سے واسطہ پڑے گا ۔ اپریل کے آخر میں یورپ کے دورے پر جانا ہوگا ۔ ویسے خود وہ ان باتوں میں اب کمی کرتے جا رہے ہیں ۔ صحت پر بھی برا اثر پڑتا

ہے ۔ بہتر ہے کہ سورج مل جی کا قطعی نوٹس نہ لیا جائے۔ ویسے نوٹس لینے کی وہ شخص کسی معاملے میں گنجائش بھی نہیں چھوڑتا ۔

نیلوفر پکا ارادہ کر چکی تھی کہ وہ راجہ صاحب کو ٹھکرا دے گی ، مگر انہوں نے اسے ٹھکرانے کا موقع ہی نہیں دیا ۔ انہوں نے کسی قسم کی چھچھوری خواہش بھی نہیں کیں ۔ نیلوفر سے انہوں نے اس کی مرضی بھی نہیں پوچھی ۔ بس جیسے حکم دے دیا ۔

رانی صاحبہ سے ان کی عرصہ ہوا بول چال تک بند تھی ، مگر بچے سب انہیں کے زیر سایہ پل رہے تھے ۔ باوجود جسمانی حلیے کے روحانی طور پر وہ اب بھی ان سے متاثر تھے۔ انہیں علم و فضل کا خزانہ سمجھتے تھے ۔ اپنی محبوباؤں کو ویسے ہی کپڑے پہنانے تھے جیسے وہ اپنی لڑکیوں کو پہنائیں ۔ سوسائٹی میں وہ الٹرا ماڈرن سمجھی جاتی تھیں ۔ ان کے فیشن اور ٹیسٹ کی دھوم تھی ۔ راجہ صاحب نے دوسرے دن اس کے لیے نئے کپڑے سلوائے ۔ جھم جھم کرتی ساریوں کی بجائے بڑے احتیاطی قسم کے لباس خریدے گئے ۔ سونے اور جواہرات کی بجائے نہایت پرانے ، مگر جنہیں حال ہی میں جدید ترین تسلیم کیا گیا تھا ، زیورات خریدے ۔

راجہ صاحب کے ہاتھوں میں وہ بالکل کٹھ پتلی بن گئی۔ انھوں نے اسے سوچنے کا نہ موقع دیا اور نہ اس نے اس نے ضرورت محسوس کی۔ سوچنے کی اب گنجائش ہی کہاں رہ گئی تھی؟ زندگی کے سارے بھید کھل چکے تھے۔ جو ہونا ہے ہو رہے گا۔ اب دیکھنا ہے یہاں سے اچھل کر وہ کس کی گود میں گرے گی۔ اور پھر ایک دن آئے گا جب وہ اچھل کر خلا میں معلق رہ جائے گی یا کسی چٹان پر گر کر پاش پاش ہو جائے گی۔ آخر کیوں سب اس سے اتنی جلدی اکتا جاتے ہیں۔ وہ سوچتی بہت ہے اور جب سوچتی ہے تو کسی نہ کسی کو برا لگتا ہے۔

اس کی خاک سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ راجہ صاحب نے اس پر دس بارہ ہزار کیوں خرچ کر ڈالے۔ بس یوں ہی اس کا جی ڈر رہا تھا۔ اس نے ان سے بڑے اخلاص سے پوچھا تو وہ مسکرانے لگے۔

”بھئی میں ان لوگوں میں سے نہیں جو کہتے کچھ ہیں اور کرتے کچھ ہیں۔ میں تمھارا عاشق نہیں دوست ہوں۔ ایسے کام میں، جس میں تم بھی خوش رہو اور میرا بھی نقصان نہ ہو، مجھے روپیہ لگاتے ہوئے کیوں تکلف ہو؟“

”جھوٹ بولتا ہے بد مراد — اکڑ دکھا رہا ہے۔“ نیلوفر نے سوچا۔ مجھ پر رعب ڈالنے کے لیے بن رہا ہے۔

مگر وہ دس ہزار نہ بھی دیتا تو منیجر سے وہ آسانی سے چھٹ سکتی تھی ۔ ضرور کوئی راز ہے ۔ مگر وہ چپ رہی ۔

" میں سیٹھ کموڈیا کی طرح انکم ٹیکس مار لینا یا ادھر ادھر گھسے دے کر کام چلا لینے کا قائل نہیں ۔ مجھے اونچی سوسائٹی میں اٹھنا بیٹھنا پڑتا ہے ۔" انہوں نے پھر اونچی سوسائٹی کا حوالہ دیا ۔ " کام تمہیں کچھ بھی نہیں کرنا پڑے گا ۔ مجھے اکیلے سفر کرتے کوفت ہوتی ہے ، تمہیں ساتھ رہنا ہوگا ۔"

" اور رانی صاحبہ ؟ "

" میں کاروبار کی بات کر رہا ہوں ۔ سیر سپاٹے کی نہیں ۔ ضائع کرنے کو میرے پاس ایک لمحہ بھی نہیں ۔"

" مگر کچھ معلوم بھی تو ہو کہ مجھے کیا کرنا ہوگا ۔"

" کچھ نہیں ، بس ہوسٹس بننا ہوگا ۔"

" مگر مجھے تو ہوسٹس بننا نہیں آتا ۔"

" اس کی تم فکر نہ کرو ۔ تم تو پیدائشی ہوسٹس ہو ۔ پھر میں جو ساتھ ہوں ۔"

"مگر اس کام کے لیے تو کوئی اعلیٰ تعلیم یافتہ لڑکی "

" اجی گولی مارو اعلیٰ تعلیم یافتہ لڑکیوں کو ۔ سوائے استانیاں بننے کے کسی مصرف کی نہیں ہوتیں ۔ اس کے لیے شکل صورت بھی چاہیے ۔ ویسے مس احمد میرے ساتھ کئی سال

رھی ۔ کمبخت ہر سال شادی کر کے چل دیا کرتی تھی ۔ پھر تین مہینے بعد روتی چلی آ رہی ہیں ۔ بڑے بڑے افسروں کو پھانسنے کے لیے جال بچھانے لگی تھی ۔ میں نے بہت سمجھایا کہ تم بے کار شادیوں کے چکر میں پڑتی ہو ۔ شادی تمہارے جوڑے میں ہی نہیں ۔ دوسرے میری بدنامی ہوتی ہے ۔"

" بھلا آپ کی بدنامی کا کیا سوال اٹھتا ہے ؟"

" ارے تم نہیں جانتیں ۔ مجھے ان افسروں کی بیویوں سے بھی تو مراسم رکھنا ہوتے ہیں ۔ وہ تو میری جان کی دشمن ہو جاتی ہیں ۔ یوں دوستی میں تو کچھ حرج نہیں ۔ مگر اس کمبخت کو بس شادی سوار ہو جاتی تھی ۔ خوا مخواہ کے فضیحتے کھڑے ہوئے لگتے تھے ۔ یہی بات میں تمہارے کان میں ڈال دینا چاہتا ہوں ۔ میں نے سنا تھا تم بھی سیٹھ کسوڈیا سے شادی پر اڑ گئی تھیں ۔"

نیلوفر کھسیانی سر جھکائے رہی ۔

" ویسے نہیں کہتا ، مگر سچی بات تو یہ ہے کہ "

وہ کہتے کہتے رک گئے ۔

" کہیے کہیے ۔ تکلف کی کیا ضرورت ہے ۔"

" میں سوچ رہا تھا یہ عورتوں کو شادی کا کیوں اتنا شوق ہوتا ہے ! میں نے بڑی روشن خیال عورتوں کو

دیکھا ہے ، بس گھوم پھر کر شادی پر آ کر ٹکتی ہیں ۔ مگر برس اور شادی کو گڈ۔ڈ نہیں کرنا چاہیے ۔ تم وہ نائیلون والا گاؤن پہنو گی ؟'' وہ ایک دم سے پٹری بدل کر دوسرے میدان میں دندنانے لگے ۔

نیلوفر بھونچکی رہ گئی ۔

راجہ صاحب حتی برس کی باتیں کر رہے تھے اتنے سوداگر مسس نہ نکلے ۔ ان کا محبت کا طریقہ عجیب و غریب تھا ۔ پی کر جب وہ خوب کَس گئے تو پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے ۔ نیلوفر کے ہاتھ پاؤں پھول گئے ۔

''میں بڑا بدنصیب ہوں ۔ مجھے سب غلط سمجھتے ہیں ۔ آج تک کسی نے میرے دل کی تنہائیوں کو نہیں پہچانا ۔ لوگ مجھے شرابی اور عیاش کہتے ہیں ۔ مگر میں ہوش میں ہوں ۔ کیوں میں ہوں نا ہوش میں ؟'' وہ ہچکیوں کے درمیان لمبی سانس بھر کر پوچھنے لگے ۔

اور پھر انہوں نے رو رو کر اپنے پہلے عشق کی داستان سنائی : کس طرح انہیں ایک پارسی حسینہ سے جان لیوا قسم کا عشق ہو گیا تھا ، مگر ریاست کے مطلبی لوگوں نے انہیں ان سے جدا کر دیا ۔

''میں بہت دکھی ہوں ۔ مجھے محبت کی ضرورت ہے ۔ سچی اور بے غرض محبت کی ضرورت ۔ اگر کوئی عورت چاہے

تو پھر میرے دل میں جینے کی خواہش پیدا ہو سکتی ہے ۔
معصومہ بی بی مجھ سے پیار کرو ۔" برسوں پہلے دور کسی
نے آواز دی :

" معصومہ بی بی دوپٹہ سنبھال کے اوڑھو ، قرآن پاک
سامنے رکھا ہے ۔"

نیلوفر نے معصومہ کی طرف پیار سے دیکھا اور رو پڑی ۔

" معصومہ بی بی تم رو رہی ہو ؟ تمہیں میرے اوپر
ترس آ رہا ہے ۔" راحہ صاحب ھچکیوں سے رونے لگے ۔
معصومہ سر پر آنچل کا نکل مارے ہل ہل کر انتیسواں پارہ
پڑھ رہی ہے ۔ اگلے جمعے قرآن شریف ختم ہو جائے گا ۔ پھر
نشرح ہوگا ۔ گلابی پوتھ کا پاجامہ اور بسنتی جالی کا دوپٹہ ۔
اس کے پلڑے سے نکولے اٹھنے لگے ۔ دادا ابا کی لوٹی ہوئی
مہندی سے شعلے اٹھ اٹھ کر عصا پر چھا گئے ۔

" اسکول میں جو نام تھا وہی ٹھیک رہے گا —
معصومہ بیگم ۔"

" نہیں ۔" نیلوفر نے چڑ کر کہا ۔ دور — اس کی دنیا
سے دور — اس کی ہم جماعت لڑکیاں : فرحانہ انور علی ، تہمینہ
مرچنٹ ، گل بانو وردر جسں ، نورا پیر بس ، معصومہ — وہ
سب جدا ہو گئیں ۔ وہ زندہ ہیں ۔ معصومہ مر گئی اور اب
وہ اس کو قبر میں سے کھینچ کر نہیں نکال سکتی ۔ سعید

سعید ہلتے ہوئے کیڑوں نے اب خاک بھی نہیں چھوڑی ۔ نہیں اسے مت چھیڑو ۔ ورنہ یہ خواب بھی بکھر جائے گا ۔ اس کی دوشیزگی کو نہ مسلو ۔

مگر راجہ صاحب ضد کرنے لگے ۔

" بیلوور کچھ رنڈیوں جیسا نام لگتا ہے ۔ تم اس بارکی کو نہیں سمجھو گی ۔ نورشیں گر جاتی ہے ۔ نام ہی سے معلوم ہوتا ہے کوئی سالی ٹکھیائی ہے ۔ نہ سمجھنے والے ہی سمجھ پاتے ہیں ۔"

" کیا سمجھ پاتے ہیں ؟ "

"پولیس ایکشن کے بعد بہت سی رنڈیوں نے کہنا شروع کر دیا کہ وہ فلاں جنگ یا فلاں عہدے دار کی بہو، بیٹی یا رشتہ دار ہیں ۔ میاں چھوڑ کر پاکستان چلا گیا ہے ۔ یوں ٹکھیائیاں بھی شریف زادیوں کے بھاؤ بکنے لگیں ۔"

" مگر اس سے فرق ہی کیا پڑتا ہے ۔"

" بہت فرق پڑتا ہے ۔ لیبل کا فرق ہو ، خواہ بوتل میں ایک ہی چیز ہو ۔ یہی چاٹ پکوڑے سڑک پر کھڑے ہو کر کھانے کی بجائے کسی شاندار ریسٹوراں میں کھا کر اور ہی لطف آتا ہے ۔"

" اچھا ایک بات پوچھوں ؟ "

" پوچھو میری جان ۔ ایک نہیں ہزار باتیں پوچھو ۔"

" کاروبار کے سلسلے میں میرا مطلب ہے کیا اس سے کام چل جاتا ہے ؟ "

" میں سمجھا نہیں ۔"

" کیا لڑکیاں اور دعوتیں ۔"

" نہیں جانم ۔ یوں نہ کرو ۔ یہ تو بس یوں سمجھو کہ ہار پھول کی طرح ہوئیں ۔ دعوتیں پارٹیاں تو سب اوپری باتیں ہیں ، ذرا مرغی گلانے کے لیے ۔"

" مرغی ؟ "

" ہاں گلانے کے لیے ۔ تم نہیں جانتیں دنیا میں کیسا کیسا گدھا پڑا ہے ۔ دو چار دعوتیں دو ، اول درجے کی شراب ہو ، حسین چھوکریاں ہوں تو انسان ذرا کھل جاتا ہے ۔ راہ و رسم بڑھتی ہے ، جو گہری دوستی کی صورت اختیار کر لیتی ہے ۔ اور پھر جب یارانہ ہو جائے تو کام بھی بنا سمجھو ۔ دو چار دعوتوں کے بعد بقول کسے مرغی گل جاتی ہے ۔"

" ہم نے تو سنا ہے رشوتیں دینا پڑتی ہیں ۔"

" ہاں بھی ، مگر رشوتیں دینے کی بھی تو پہنچ ہونا چاہیے ۔ کوئی راستہ چاہیے ۔ یوں جا کر پیسے پکڑا دینے سے کام نہیں چلتا ۔ بڑے بڑے چکر چلنا پڑتے ہیں ۔ کس کو کس صورت میں رقم پہنچائی جائے ! کچھ ایسے ہیں جو

تکلف کرتے ہیں۔ خود نہیں لیتے۔ کہہ دیتے ہیں: بھئی میری بیوہ بہن ہیں، بیٹیوں کی شادی کرنا ہے۔ آپ جانتے ہیں میری آمدنی محدود ہے۔ بس اتنا اشارہ کافی ہے۔ ہم اُن کی بیوہ بہن کے پاس کپڑوں کے تھان، زیورات کے سیٹ، موٹر گاڑی، جس کی بھی وہ بھولے سے فرمائش کر دیں، پہنچا دیتے ہیں۔"

"اور جس کی بیوہ بہن نہ ہو؟"

"ایسا کوئی ہمیں تو آج تک ملا نہیں جس کے خاندان میں کوئی بیوہ یا یتیم نہ ہو۔ بلکہ آج کل تو ایسا معلوم ہوتا ہے ان با رسوخ لوگوں کے یہاں پلٹنوں کی پلٹنیں یتیموں کی بھری پڑی ہیں۔ شاید خود اُن کے سال بچے بھی یتیم ہی ہوتے ہیں۔"

"یہ لوگ پکڑے نہیں جاتے؟"

"کون پکڑے؟ زانی کو پہلا پتھر مارنے کا حق تو وہی رکھتا ہے جس نے کبھی خود گناہ نہ کیا ہو۔ ویسے ہم ایسا کچا کھیل نہیں کھیلتے۔ لینے والے بھی کوئی اناڑی نہیں۔ یوں سمجھو کہ ہر بڑے شہر میں جتنے بہترین ہوٹل ہیں وہاں میرا کھاتا کھلا ہوا ہے۔ مثلاً وہاں کوئی جائے اور کہے۔ کمرہ چاہیے، اور اگر وہ اپنا نام "گلاب چند" بتائے تو مینیجر بغیر پوچھے گچھے اسے میرے کھاتے میں کمرہ دے دے گا۔ اب وہ چاہے جس بڑے برار یا

جوھری کو فون کریں ، حاضر ہو جائے گا اور " گلاب چند " کے نام سے جتنے مال کا فیصلہ ہو چکا ہو مل جائے گا ۔ نہ کوئی بل بنے گا ، نہ رسید لی جائے گی ۔ اب پکڑے سالہ کوئی ماں کا لال گلاب چند کو ۔"

" کمال ہے !" بیلوہر کی آنکھیں پھٹ گئیں ۔

" اس کے علاوہ اور بھی طریقے ھیں لین دین کے ۔ ارے بھئی جب دوستی ھی ٹھیری تو میں چاھوں تو ان کی بہو کو منہ دکھائی میں موٹر دے دوں ، کوئی میرا کیا کرے گا ؟ راجہ ھوں ، کوئی ایسا ویسا کنگال تو ھوں نہیں کہ ایک ھیرے کا سیٹ نہ دے سکوں یا شادی کے انتظام میں ھاتھ نہ بٹا سکوں ۔ ڈیرے تمبو لگوا دیے ، لائٹ کا انتظام کروا دیا ، موٹریں سپلائی کر دیں ، ھزار طریقے ھیں ۔ کوئی کیا کھا کے پکڑے گا ۔"

" مگر بدلے میں کیا ملتا ہے ؟ "

" جس چیز کی ضرورت ھو ۔ مثلاً : کوئی ٹھیکہ ہے ۔ ڈسپوزل کا مال ہے ۔ کوئی زمین چاھیے ہے ۔ پچھلے دنوں ایک زمین پر بڑا مقابلہ ھو گیا ۔ وھاں گرلز اسکول ہے ۔ میں نے وہ زمین اس کے مالک سے خرید لی ۔ اب وھاں ایئر کنڈیشن سینما حال بنانے کا پلان ہے ۔ اسکول کے ٹرسٹیوں کو تو منا لیا ہے ، مگر وہ دو کوڑی کی ھیڈ مسٹرس ویل مچا

رہی ہے ۔"

" پھر اب کیا کریں گے ؟ "

" دیکھتی جاؤ کیا کریں گے ۔ وہ ہیڈ مسٹرس کرسچین ہے ۔ بیس برس سے اسکول چلا رہی ہے ۔ بس اب یہ کوشش کی جا رہی ہے کہ وہ کسی طرح ریٹائر ہو یا نکالی جائے ، سو ممکن نہیں ۔"

" کیوں ؟ "

" ابھی دس سال اور کام کر سکتی ہے ۔ دوسرے اس نے لڑکیوں کو ملا لیا ہے اپنی طرف ۔ سیدھی طرح اگر میری منت کرتی تو شاید نرم پڑ جاتا ، مگر وہ تو اکڑ دکھانے لگی ۔ مجھے بھی ضد آ گئی ہے ۔ بمبئی چل کر ذرا ٹٹولنا پڑے گا ۔"

" کہ مرغی گلی یا نہیں ؟ "

" ہاں ۔ " راجہ صاحب ہنسنے لگے ۔

" ادرک لہسن اچھی طرح لگایا ہے ؟ "

" کیا ؟ "

" مرغی گلانے کے لیے ۔"

" اوہ ! ہاں ، اس کی تم فکر نہ کرو ۔ بس بمبئی چلو ۔ ذرا ایک زور دار پارٹی ہو جائے ۔ کیوں ؟ " انہوں نے نیلوفر کے کولھے پر دھپ مار کر کہا ۔

"اوئی!" نیلوفر کھلکھلانے لگی۔ نہ جانے ایک دم اس کی چھائی کا بوجھ کہاں غائب ہو گیا۔ آپ ہی آپ قہقہے اُبلنے لگے، جیسے امتحانوں کا نتیجہ آ گیا ہو کہ وہ اچھے نمبروں سے پاس ہو گئی۔ دوسروں کے تو اس سے بھی کم نمبر تھے اور بڑی بڑی ڈگریاں دبائے بیٹھے تھے۔ وہ اتنی بری بھی نہیں۔

اسی بات پر اُس نے خوب دل کھول کر پی اور ہرس کو بھول کر اُس نے راجہ صاحب کو جی بھر کر پیار کیا۔ ایسے کہ وہ فلم، جنھیں دیکھ کر اُسے قے ہو گئی تھی، کچھ دھندلے پڑ گئے۔

راجہ صاحب کی صحبت میں نیلوفر نے دنیا کے نئے نئے روپ دیکھے۔ ہر روپ سیاہی میں ایک دوسرے سے بڑھ کر تھا۔ ٹھاٹھیں مارتے ہوئے گناہ کے سمندر میں وہ تو صرف ایک ننھی سی بوند ہے۔ سب ہی اس سے کچھ کم، کچھ زیادہ مجبور ہیں۔ بڑی مستعدی سے خود اپنے پیروں میں ڈھال کے بیڑیاں جکڑ رہے ہیں۔ گناہ جب ضرورتِ زندگی کی صورت اختیار کر لے تو پھر گناہ نہیں عقل و دانش کا تقاضا بن جاتا ہے۔ جس حمام میں سب ہی ننگے تھے وہاں اُسے اپنے برہنہ پن سے کیوں تکلف محسوس ہوتا۔ چند ہی مہینوں میں اُس نے اپنی قیمت کئی بار دگنی تگنی

ادا کر دی - کلکتہ ، بمبئی ، مدراس ، دہلی ، غرض ہر بڑے شہر میں راجہ صاحب کی دعوتیں اور محفلیں کامیاب رہیں -

دہلی میں اسے ممی کا خط ملا - وہ ربیدہ کے لیے لڑکا دیکھنے گئی تھیں - ربیدہ بی - اے کے آخری سال میں تھی - انہوں نے کئی لڑکوں کے لیے سلسلہ جنبانی کی - مختلف مانگیں تھیں ان کی - جیسا گدھا ویسے دام - ربیدہ کی شادی کے ذکر سے نہ جانے دل کے کس حساس کونے میں ٹھوکر سی لگی - معصومہ نے ابھی دم نہیں توڑا تھا - ابھی زندگی کی رمق باقی تھی - کیا وہ اپنی بہن سے جل رہی تھی ؟ اس کی پاک صاف زندگی پر رشک آ رہا تھا - قطعی نہیں - اسے ربیدہ سے ہمیشہ سے محبت تھی - وہ بھولڈی سی تھی - پڑھنے کی شوقین تھی - اسے پڑھا لکھا کر نیلوفر کو بڑا اطمینان ہوتا تھا - کچھ اپنی زندگی کی محرومیوں کی تلافی ہو جاتی تھی - اس نے ممی کو لکھ دیا کہ بے تکلف اونچے داموں کا مال ربیدہ کے لیے تلاش کریں - کوئی کسر اٹھا رکھنے کی ضرورت نہیں - خط لکھ کر اسے بڑا سکون محسوس ہوا - اس رات اس نے بڑے اونچے اونچے قہقہے لگائے اور بڑا ہنگامہ کیا - راجہ صاحب بار بار اسے ٹہوکے دیتے رہے تھے ، کیونکہ وہ گوہرِ مقصود ، یعنی ایک نہایت ہی اہم ہستی پر توجہ دینے کی بجائے ایک شاعر صاحب کے پہلو

میں گھس رہی تھی ، جو چپکے چپکے اس کے کانوں میں غلیظ اشعار ٹپکا رہے تھے ۔ اسے گوہرِ مقصود کی گنجی کھوپڑی اور چکنے گھیاں جیسے لڈ مڈ چہرے سے اُبکائی آ رہی تھی ۔ اس کی آنکھیں اور ناک کی پھنگ ایسی سرخ ہو رہی تھی جیسے وہ ابھی رو کر آیا ہے یا کسی کو رونے جا رہا ہے ۔ " ارے بھئی کرنل صاحب کو ذرا ہوٹی کباب چکھاؤ ۔ دیکھو تو ان کا گلاس خالی پڑا ہے ۔ ذرا کرنل صاحب کو لطیفہ تو سناؤ ۔ وہ باتھ روم کا ، جو تم نے اس دن سنایا تھا تو ہنستے ہنستے پیٹوں میں بل پڑ گئے تھے ۔" وہ بار بار اسے گھیر کر ڈرنہ میں لے جانے کی کوشش کر رہے تھے ۔ کرنل صاحب سخت ٹائٹ ہو رہے تھے اور اس پر پلے پڑ رہے تھے ۔ زبردستی اُلٹا اس کی خاطر پر تلے ہوئے تھے ۔ اس کے گلاس میں برف ڈالتے ہوئے ہاتھ چوک گیا اور برف کی ڈلی بیلوفر کے کندھوں پر سے ڈھلکتے ہوئے گریبان میں جھونک دی ۔ بیلوفر کے چیخنے پر بوکھلا کر جو برف پکڑنے کے لیے ہاتھ ڈالا تو برف تو پھسل کر نیچے سے نکل گئی ، ہاتھ انگاروں پر پڑ گیا ۔ نشہ میں بیلوفر کو یاد نہیں اس نے کیا کیا ۔ پوری عمر برف کے ٹکڑوں کی تلاش میں ہاتھ سینکنے لگی ۔

صبح جب آنکھ کھلی تو کسی اجنبی ہوٹل کا کمرہ

تھا ۔ پاس ہی تکیے پر سیمرغ کا انڈا رکھا تھا ۔ مگر بیچوں بیچ سے تڑخا ہؤا تھا ، جیسے اندر سے بچے نکلنے کے لیے کھٹکی لگائی ہو ۔ بڑی دیر تک اس کی سمجھ میں نہ آیا وہ کس جنگل بیاباں میں ہے ۔ مگر اتنے میں انڈا گھوما اور چھلی ہوئی ارُوی نے سوئے منڈھے دانت نکوس دیے ۔

"اوہ !" اس نے آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیے ۔

"مس جنگ مجھے بڑا افسوس ہے ۔"

"آپ نے جان بوجھ کر مجھے اتنی پلائی تھی ۔" اس نے ناٹک شروع کیا ، حالانکہ بیچارے نے قطعی نہیں پلائی تھی ۔ "آپ آپ ۔" وہ ہکلا کر رہ گئے ۔

"آئی وانٹ ٹو ڈائی ۔"

"پلیز ۔ ڈارلنگ ۔"

"مجھے ٹیکسی منگوا دیجیے ۔"

"گاڑی موجود ہے ۔ مگر "

"آپ نے مجھے کیا سمجھا ہے ؟" اس نے ران پر رینگتا ہؤا ہاتھ دور پھینکا ۔

"اوہ مائی گاڈ ۔ پلیز پلیز ۔" حالانکہ کرنل صاحب سمجھتے تھے کہ وہ کون ہے ، مگر اس کا اعتراف کرتے ہوئے انہیں ہتک محسوس ہوتی تھی ۔ کتنی طمانیت تھی اس احساس میں کہ انہوں نے ایک اونچی سوسائٹی کی مہذب لڑکی کو

خراب کیا۔

’’آئی ایم اے سوائن!‘‘ انہوں نے فخر سے سینہ پھلا لیا۔

وہ اوندھی پڑ کر سسکیوں سے رونے لگی۔ اسے خود تعجب ہو رہا تھا کہ بغیر آنکھ میں انگلی مارے آنسو خود بخود نکل آئے۔ واقعی ہچکی بندھ گئی۔ کیوں؟ اسے سخت حیرت ہو رہی تھی۔ کرنل صاحب نے اس کے پیروں پر سر رکھ دیا، تب تو اسے ہنسی آجانا چاہیے تھی، مگر کوئی قابو سے باہر، زبردست طاقت اس کے وجود میں رو رہی تھی۔ جب طوفان رک گیا اور بادل چھٹ گئے تو تارہ بیسو کا رس پیتے ہوئے اسے معلوم ہوا وہ اشوک ہوٹل میں ہے۔ ’’مائی گاڈ! کیا غصہ ہے۔‘‘ کرنل صاحب نے پیار سے سر کی چوٹ کو سہلاتے ہوئے کہا۔ میدانِ جنگ میں انہوں نے بڑے بڑے زخم کھائے تھے۔ ان کی وردی تمغوں سے بھری پڑی تھی۔ ایسا حسین زخم، اتنی حسین محبوبہ نے شاید اس سے پہلے انہیں نہیں بخشا تھا۔ جب ہی تو وہ میٹھی میٹھی آنکھوں سے اسے تک رہے تھے۔ اور جانے روٹھے کے الٹے احسان مند نظر آ رہے تھے۔ دوسری جنگِ عظیم میں وہ میجر تو ضرور رہے ہوں گے، کیونکہ نہ صرف ان کی کھوپڑی گنجی تھی بلکہ گدی پر بالوں کی جھالر بھی قریب

قریب سفید تھی ۔ گالوں پر بھی چیونٹی کے انڈے پھوٹ رہے تھے ۔

نہ جانے کیوں نیلوفر اداس ہوگئی ۔ اس کے نصیب میں یہ اترے ہوئے آم کیوں لکھے تھے ؟ کیا زندگی میں ایک بار بھی وہ جوان باہوں کے حلقے میں نہ جھوم سکے گی ؟ احمد بھائی سے لے کے کرنل صاحب تک ، سب ہی اس سے عمر میں دگنے یا ڈھائی گنے تھے ۔ ایک دم اسے پونا کا ٹیکسی ڈرائیور یاد آگیا ۔ وہ ضرور نوجوان ہو گا ۔ کاش وہ اسی مدھوش نہ ہوتی !

وہ ناشتے پر ہی تھے کہ راجہ صاحب آ گئے ۔

” آداب عرض ! کہیے حضور مزاج تو اچھے ہیں ۔ آداب عرض — “ وہ بالکل چھوٹے دیور کی طرح نیلوفر سے چھیڑ چھاڑ کرنے لگے ۔ ” آپ لوگ تو پارٹی سے ایسے غائب ہوئے کہ ہم ڈھونڈتے ہی رہ گیے ۔ پھر تو پارٹی ہی اکھڑ گئی ۔ اچھا ہمیں بے وقوف بنایا ۔“

وہ جا کر بالکنی میں کھڑی ہو گئی اور راجہ صاحب باتوں میں غرق ہو گئے ۔ کچھ مشینوں کا ذکر ہو رہا تھا ۔ نیلوفر کو یاد آیا کہ راجہ صاحب کا ایک کارخانہ ہے جہاں تالوں کے علاوہ موٹروں کے کچھ سپیئر پارٹ ، اسٹوو ، ٹفن کیریر وغیرہ بنتے ہیں ۔ شاید کسی بڑے کانٹریکٹ

کی تاک میں ہیں ۔

نیچے لان پر آیائیں بچوں کو لیے ٹہل رہی تھیں ۔ ایک سانولی سی بچی کو دیکھ کر نہ جانے کیوں اسے اپنی بیٹی یاد آ گئی ۔ کیا نام تھا اُس کی بیٹی کا ؟ بالکل ذہن سے اُتر گیا ۔ جب وہ پیدا ہوئی تھی تو اُس نے سیٹھ کی بیٹیوں کے وزن پر اس کا نام آوشا رانی رکھنا چاہا تھا ۔ نہ جانے کیوں سیٹھ جی کھسیانے سے ہو گئے تھے ۔ وہ اس بچی کو شیلا رانی ، پشپارانی اور اندرا رانی کے سلسلے کی کڑی بنانے کو تیار نہیں تھے ۔

اب تو اس کا نام فیروزہ بانو رجسٹر کروا دیا گیا ۔ فیروزہ نام کی ایک لڑکی سے انہیں کم سنی میں عشق ہو گیا تھا ۔ لاہور چلی گئی تھی ۔ اب تو شاید نائکہ ہو گی ٹھسے والی ۔

نیلوفر کا جی کھٹا ہو گیا تھا ، اس لیے وہ ہمیشہ اُس کا نام بھول جاتی تھی ۔ اُسے اس بھونڈی سی بچی پر ترس آیا تھا جو نے کرایہ کے مہمان کی طرح تو مہینے زبردستی اس کی کوکھ میں رہی تھی ۔ اگر بیٹا ہوتا تو شاید سیٹھ اتنی جلدی نہ پتہ کاٹ دیتے ۔ اُس نے سیٹھ کو اپنے دل کا ایک کونہ دیا تھا ، مگر جب سے وہ خالی ہؤا تھا اجڑا محل ڈھنڈار پڑا تھا ، جیسے دل کی جگہ صرف خلا رہ گیا ہو ۔ نہیں وہ اب کسی کو ٹوٹا پھوٹا کونا بھی نہیں دے گی ۔

" ویسے لوکل مارکیٹ تو نہیں کے برابر ہے ۔ اُدھر سے ان حرام زادوں نے اپنا جال پھیلا رکھا ہے ۔ "

راجہ صاحب کاروباری باتیں سمجھا رہے تھے: " گھروں میں چھوٹی چھوٹی بھٹیاں لگا لی ہیں ۔ "

" مگر اس سے آپ کے کارخانے پر کیا اثر پڑتا ہوگا ؟ "

" نہیں صاحب ، کافی اثر پڑتا ہے ۔ یہ کاٹیج انڈسٹری اندر ہی اندر گھن کی طرح چاٹ جاتی ہے ۔ کتنا مزدور کھپ جاتا ہے ، آپ اندازہ نہیں لگا سکتے ۔ چھوٹے چھوٹے دیسی اوزاروں سے تالوں کے پرزے وغیرہ گھسنے کا کام ہے ، جو گھروں میں بیٹھنے والی عورتیں بھی دن میں گھر کے کام کاج سے وقت نکال کر کر لیتی ہیں ۔ ان بھٹیوں میں پرزے ڈھلتے ہیں ، پالش کرنے کے لیے لوگ لے جاتے ہیں ۔ بڑی کم مزدوری میں کام چل جاتا ہے ۔ ذرا غور کیجیے ، کتنا مزدور کٹ جاتا ہے ۔"

" آپ کو کیا لیبر کی کمی ہے ؟ "

" ایسی خاص آسانی بھی نہیں ہے ۔ کیوں کہ گھر بیٹھنے والی عورتیں کارخانوں میں نہیں جا سکتیں ، اس لیے وہ تو ویسے ہی ہاتھ سے گئیں ۔ دوسرے یہ چھوٹے کارخانوں والے انہیں اپنے قابو میں رکھتے ہیں ۔ ہم سے بائیکاٹ کرا رکھا ہے ۔ الٹی سیدھی باتیں کہہ کر ڈرا رکھا ہے کہ

یہ لوگ تم سے مفت محنت لیں گے۔ تمھاری سنوائی نہیں ہو گی۔ پھر وہی پارٹ ٹائم کی لالچ ہے۔ سارا دن حاضری دینے کی ضرورت نہیں۔ ہم لیبر کو آرگنائز نہیں کر سکتے۔ پابندی سے یہ لوگ بھڑ لیتے ہیں۔ کیا بتاؤں آپ کو، زہر بہت دور تک پھیلا ہوا ہے۔ یہ لوگ پھیری والوں کی طرح گھر گھر لالٹینیں، چولھے اور تالے وغیرہ بیچتے پھرتے ہیں۔ سڑکوں پر چھوٹی چھوٹی دکانیں لگا لیتے ہیں۔ سارے مارکیٹ پر چھائے ہوئے ہیں۔ اب ہم ان سالوں کا کیسے مقابلہ کریں۔ کتنی دکانیں کھول سکتے ہیں۔ مفت کی درد سری ہے اور پھر ہماری بڑی دکان پر مکھیاں بھنکتی ہیں۔ یہ چھوٹی دکان والے ظاہر ہے سستی چیزیں بیچتے ہیں۔"

"خواہ آپ کے مقابلے میں کوڑا ہی ہوں؟"

"اور کیا — ان لوگوں میں اتنی عقل کہاں کہ مہنگی اور پائیدار چیز کی قدر کریں۔ دس بار خریدنا پڑے پر سستی ہو۔ عجیب ذہنیت ہے۔ اس کے علاوہ جو ایک فرقے کے دل میں دوسرے فرقے کے خلاف بغض کا بیج بویا جاتا ہے، مجھے تو اس پر اعتراض ہے۔"

"کیا ردی مال بیچنے کے جرم میں ان لوگوں کو پکڑا نہیں جا سکتا؟" کرنل صاحب جمائی لے کر بولے۔

"نہیں صاحب، یہ بھی کر کے دیکھ لیا۔ ان لوگوں کو

سرکاری لائسنس دے دیے گئے ہیں۔ اور مال بھی ان کا برا نہیں ہوتا ۔ دراصل یہ وہی لوگ ہیں جو پہلے کارخانوں میں مستری کا کام کر چکے ہیں ۔''

'' یہ کارخانہ تو عرصے سے بند پڑا تھا ۔''

'' جی ہاں ۔ نواب صاحب سے میں نے خرید لیا ۔ سب کوڑا ہو گیا تھا ۔ میں نے اتنا سرمایہ جھونکا ہے کہ کچھ عرض نہیں کر سکتا ۔ تمام نئی مشینری لگوائی ۔ ٹرینڈ اسٹاف رکھا ۔ صاحب آخر ہمارے گزارے کا بھی تو کوئی انتظام ہونا چاہیے ۔ کیا ہم سے ریاستیں چھیننے کے بعد روزی بھی حلق سے نکال لینے کا ارادہ ہے ؟ ہم جہاں بھی سرمایہ لگاتے ہیں یہی مشکلیں آن پڑتی ہیں ۔ بالکل ہاتھ پیر باندھ دیے ہیں قانون نے ۔ پولیس بھی ان کا ہی ساتھ دیتی ہے ۔ اور پھر کہتے ہیں سرمایہ نایاب ہے ۔ ہمارا کیا ہے صاحب ؟ ہماری بلا سے ۔ ہمارا روپیہ لاکر میں پڑا رہے ، محفوظ تو رہے گا ۔ ملک کی ترقی کے لیے لگاؤ تو اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ کنگال ہو جاؤ ۔ اگر کوئی فیصلہ نہ ہؤا تو میں یہ کارخانہ اونے پونے بیچ کے انگلینڈ مائیگریٹ کر جاؤں گا ۔ بلا سے ، دو نوالوں کا سہارا تو رہ جائے گا ۔''

'' ارے ہاں خوب یاد آیا ۔ وہ جو آپ نے پاٹ منگوایا تھا ، اس کا کیا بنا ؟ ''

" ہے ۔ کسی دن چلیے نا ، جا میں سیر رہے۔ ذرا دیکھیے تو ، آپ کو پسند ہو تو "

" نہیں صاحب میرے پاس اتنے پیسے "

" کیسی باتیں کرتے ہیں ؟ آپ مجھ سے ایسی غیریت برتتے ہیں بھگوان قسم ! مجھے تو اس کا رنگ پسند بھی نہیں ۔"

" رنگ تو بہت خوبصورت ہے ۔"

" بس سبز رنگ مجھے راس نہیں آتا ۔ ویسے آپ کا لکی اسٹون کیا ہے ؟"

" زمرد ہے ، اس کے ساتھ ہیرا بھی چل جاتا ہے ۔"

" زمردا یعنی کمال ہے ، سات پشتوں سے زمرد ہمارے ہاں راس نہیں آتا ۔ دیکھیے ایک عرض ہے ، اگر میری دل شکنی منظور نہیں تو "

" نہیں بھئی ۔ یہ کیا کرتے ہیں آپ ؟" کرنل صاحب ہنسنے لگے ۔

" کرنل صاحب یہ نہ سمجھیے گا کہ میں ان چیزوں کو بھی حساب میں لگا لوں گا ۔ یہ تو میری آپ کی دوستی کی بات ہے ۔ ویسے صاحب میں لالچی نہیں ۔ قوم اور ملک کی خدمت کا شوق ہے ۔ ملک انڈسٹریلائیز ہوگا تو کیا صرف ہمارا فائدہ ہوگا ؟ ملک کی مجموعی دولت نہ بڑھے گی ؟ پھر کیا ہم اور آپ غیر ملکی ہیں ؟ ہمیں بھی گزارے کے لیے کچھ

تھوڑا بہت ملنا چاہیے۔ آپ جیسا شخص، جس نے ساری زندگی ملک پر نچھاور کر دی، اپنے خون سے اسے سینچا، کیا اسے کوئی حق نہیں پہنچتا؟ آپ کی قابلیت کا کوئی دوسرا ہوتا تو نہ جانے کہاں پہنچا ہوتا۔ سالے دھیلے جلاہے گورنر بنائے جا رہے ہیں۔ کیا دونوں ہاتھوں سے لوٹ رہے ہیں۔ لیکن آپ کو کیا ملا؟ وہی بندھی ہوئی تنخواہ! صاحب آج کل کسی شریف انسان کو گزارے کے لائق تنخواہ ملتی ہے؟"

نیلوفر دنگ رہ گئی۔ راجہ صاحب کو اس نے زیادہ تر حکم چلاتے دیکھا تھا، مسکہ لگاتے آج دیکھا۔ کارخانے کی طرف سے واقعی بڑے فکر مند نظر آ رہے تھے کچھ دنوں سے۔ وعدہ کیا تھا کہ میرا کام ہو جائے تو کارخانے کی آمدنی میں سے تمہیں ہیرے کا سیٹ خرید دوں گا۔ زبیدہ کے جہیز کا کچھ تو انتظام کرنا پڑے گا۔ دولہا کو جوڑے گھوڑے کے بیس ہزار سے کیا کم دینے ہوں گے۔ پڑھا لکھا، اونچے خاندان کا لڑکا اتنے میں مہنگا نہیں۔

اس کا خیال تھا اب راجہ صاحب اسے ساتھ لیتے جائیں گے۔

"ذرا ایک ضروری کام سے جانا ہے، تم واپسی میں چلی چلنا۔" انہوں نے آہستہ سے پالکی میں جھانکنے کے بہانے پاس آ کر کہا۔

"میرے کپڑے سارے مسلے گئے ۔"

"موٹر میں اٹیچی لیتا آیا ہوں ، ابھی بیرے کے ہاتھ بھیجتا ہوں ۔"

اٹیچی میں ضرورت کی ہر چیز نہایت سلیقے سے موجود تھی ۔

"بڑا بد صورت ہے ۔" دلاور نے شکایتاً راجہ صاحب سے کہا تھا ۔

"اس میں میرا کوئی قصور نہیں جان من ۔ میں نے اس کا اس پورشن پر تقرر نہیں کیا ۔ اور یہی میرا کام کروا دے تو مجھے یہ حور کا بچہ معلوم ہونے لگے گا ۔"

قدرت کے کھیل دیکھیے کہ ایک دن جس معصومہ کو پیٹ کی خاطر دلاور بنا پڑا تھا وہی دلاور پھر سے چولا بدل کر معصومہ بن گئی ۔ کام نہ سہی ، نام تو بدلا ۔ اسے ایسا محسوس ہوا جیسے کئی سیڑھیاں وہ واپس چڑھ آئی اور اگر حالات یونہی سازگار رہے تو وہ بہت جلد سچ مچ دوشیزہ بن جائے گی ۔ اس کا پھٹا ہوا گریبان سل جائے گا اور آنکھوں کی حیا واپس لوٹ آئے گی ۔ کئی پارٹیوں میں بڑے بڑے لوگوں کے ساتھ اس کی تصویریں بھی اخباروں میں چھپ چکی تھیں ۔ سب کے ناموں کے ساتھ معصومہ جنگ کا نام دیکھ کر اس کے دل میں اس نئی ہستی کے لیے بڑی عزت پیدا ہو گئی

تھی ۔ اس حیسی بہت سی سوسائٹی کی معرر حواتیں ھیں حں کے بارے میں اوٹ پٹانگ قصے اڑے رہتے ھیں ، مگر اس سے ان کے وقار میں کوئی کمی نہیں آتی ۔ درمیانہ طبقہ کا چھچھور پن یہاں اثر انداز نہیں ھوتا ۔ اگر کسی حاتوں کی دوستی ھے تو لوگ اس سے حاصا مرعوب نظر آتے ھیں ۔ کرنل صاحب گو ریٹائر ھو چکے ھیں ، انھوں نے اپنا رشتہ نہیں توڑا ۔ بڑے اور اھم عہدے داروں سے گہرے مراسم ھیں ۔ کوئی اھم پارٹی ایسی نہیں ھوتی حہاں یہ چند معرر اصحاب نہ ھوں ۔ اور امید ھے کہ اگر اسی طرح وہ سرکار کی محالفت میں لیکچر اور بیان دیتے رھے تو حلد ھی کسی یونیورسٹی کے وائس چانسلر یا کسی ملک کے سفیر بنا دیے حائیں گے ۔ پچھلے الیکشن میں بھی وہ کھڑے ھوئے تھے ، مگر آحر میں انھوں نے اپنا نام ایک زبردست اور اونچی حیثیت کی پارٹی کے حق میں واپس لے لیا تھا ۔

” مگر آپ تو کہتے ھیں الیکشن میں بہت روپیہ حرچ کرنا ھوتا ھے ۔“ اس نے راحہ صاحب سے پوچھا ۔

” ھاں ۔ مگر انھیں سارا حرچ مل گیا ۔ بلکہ اوپر سے فائدہ بھی ھو گیا ۔ ووٹ پکڑنے کے لیے دو چار آسامیاں تو کھڑی کرنی ھی پڑتی ھیں ۔ پھر کسی بھی پارٹی سے معاملہ طے ھو حاتا ھے ۔ بہت لوگوں کا تو دریعۂ آمدنی ھی یہ ھے ۔“

" تو یہ جو لڑکے آپ نے بلائے ہیں یہ بھی الیکشن کے سلسلے میں بلائے ہیں ؟ "

" ہاں - یہی سمجھو -"

" ایسے لوگ ٹھیریں گے کہاں ؟"

" اپنی کوٹھی کے علاوہ دو اور کوٹھیوں کا انتظام کر لیا ہے - کھانے کا انتظام ڈیروں میں رہے گا - برتن وغیرہ گنوا لیے ہیں ؟ "

" جی ہاں - گلاسوں کی کمی پڑے گی -"

" میں نے ان کا انتظام کر لیا ہے -"

سنوبر ایک دم کچھ سوچنے لگی -

" کیا سوچ رہی ہو ؟"

" یہی کہ کچھ گڑ بڑ نہ ہو جائے -"

" نہیں جی گڑبڑ نہیں ہوگی - پولیس کا پکا انتظام ہے -"

" ہاں مگر ." وہ چپ ہو گئی -

" تمھیں تکلیف ہو رہی ہو تو ممّی ہو آؤ - تمھاری بہن کی شادی کب ہو رہی ہے ؟"

" دسمبر میں -"

" تو چلی جاؤ - کچھ انتظام کرنا ہوگا -"

" نہیں نہیں - بھلا ایسے موقع پر کیسے جا سکتی ہوں - یونہی مجھے خیال ہوا -" وہ تھوڑی دیر خاموش رہ کر بولی -

" کیا رعایت سے نہیں ہو سکتا ؟"

" سیدھی انگلی گھی نکلتا تو اس ہنگامے کا کیا مجھے شوق ہے ؟"

" مگر کیسے گدھے ہیں یہ لوگ ۔ ان کی سمجھ میں ہی نہیں آتا ۔ آپ انہیں اپنے کارخانے میں نوکری دینے کو کہتے ہیں ، پھر بھی نہیں مانتے ۔ دماغ خراب ہؤا ہے کمبختوں کا ۔"

" تو پھر تمہارے لیے سیٹ ریزرو کراؤں ؟"

" کیوں ؟ ارے نہیں ۔ میں تو "

" میرے خیال میں تم چلی ہی جاؤ ۔"

" کیوں ؟ کیا کچھ ہنگامے کا ڈر ہے ؟"

" نہیں نہیں ۔ ہنگامہ ہوگا بھی تو تمہارا بال بھی بیکا نہ ہوگا ۔ میں سوچ رہا ہوں میں بھی چلا چلوں ۔ کیوں منشی جی آپ کو تکلیف تو ہوگی نہ ؟"

" نہیں سرکار ۔ آخر تین پشتوں سے نمک خوار ہیں ۔ ہے ۔ اگر میری کھال کی جوتیاں بنا کر بھی حضور پہن لیں تو میری خوش قسمتی ہوگی ۔"

" پھر بھی بال بچوں والے آدمی ہو ۔"

" حضور میں نے سب کو سیتا پور بھیج دیا ہے ۔ آپ کسی قسم کی فکر نہ کریں ۔ ان سالوں کی بساط ہی کیا ہے ؟ بھوسہ بھر دیں گے جی ۔"

" بھئی جوں جرانے سے ڈر لگتا ہے - انہیں سمجھایا نہیں جا سکتا ؟ "

" بہت سمجھایا باجی جی - سالے کہتے ہیں سب کو نوکریاں دو -"

" کیا مطلب ؟"

" مطلب یہ کہ جتنے کاریگر ، جو مستقل ان کے ساتھ لگے ہوئے ہیں ، انہیں بھی نوکری دو اور وہ جو پارٹ ٹائم کام کرتے ہیں انہیں بھی - سالے گھسے گھسائے بڈھے بڑھیاں بھی ساتھ میں چپکے ہوئے ہیں - کہتے ہیں ان کی روزی ماری جائے گی - یہ کہاں جائیں گے - کہو: بھئی کیا ہم نے ساری دنیا کا ٹھیکہ لیا ہے ؟ ہم نے کارخانہ کھولا ہے یتیم خانہ نہیں کھولا - ذرا سوچیے اس طرح ملک انڈسٹریلائیز ہو سکتا ہے ؟

" یہ نیتا لوگ کچھ نہیں کرتے ؟" نیلوفر نے بڑھا نکی۔

" ارے بھلی چلائی ان نیتاؤں کی - اپنی بھٹی جھونکنے سے فرصت ملے تو دوسروں کی مشکلات پر نظر پڑے - اندھا بانٹے ریوڑیاں ، اپنوں ہی اپنوں کو دے - ساری رعایتیں ہیں تو پہلے اپنے کنبے کے لیے ، پھر اپنے صوبے والوں کے لیے ، بچتا کیا خاک ہے جو ہمارے ہاتھ آئے - پھر دنیا بھر میں شرح رو بھی تو بسا ہے کہ بڑا جنتا کا پالن ہو رہا ہے -

سوائے ہمارے سب کوڑا کرکٹ زندہ رہنے کا حق رکھتا ہے ۔ کہو : ہمیں مار کے تمہیں کیا مل گیا اور آئندہ کیا مل جائے گا ؟ کوئی منچلے اٹھے ، اسمبلی میں داغ دیا کہ کاٹج انڈسٹری کو ترقی دو ۔''

'' کہاں ہے صاحب !'' منشی جی بولے ۔

'' جی ہاں ۔ انہیں لون دینے کی اسکیمیں بن رہی ہیں ۔ مطلب یہ کہ بجائے اس کے کہ گھاس بکرے کو ملے ، بکرا کاٹ کر گھاس کو کھلا دیا جائے ۔ منشی جی آپ ٹکٹوں کا انتظام کیجیے ۔''

بیلوفر کی سمجھ میں اور کچھ نہیں مگر اتنی بات تو آ گئی کہ وہ لوگ ، جو راجہ صاحب کے کارخانے کی ترقی میں حائل ہیں ، ملک اور قوم کی ترقی کے دشمن ہیں ' راجہ صاحب کے دشمن بیلوفر کے دشمن ہیں ' اس چندن ہار کے دشمن ہیں جو کامیابی اور حوس اسلوبی سے کام ہو جانے کی صورت میں راجہ صاحب اسے دینے والے ہیں ' وہ چاہتے ہیں رنیدہ کو اچھا بر نہ ملے ، وہ بھی بیلوفر کی طرح برباد ہو ' سارا خاندان تباہی کے غار میں ڈوب جائے !

'' کوئی کسر اٹھا نہ رکھنا ۔'' اس نے راجہ صاحب کو اپنے عملے کو احکامات جاری کرتے سن کر اطمینان کا سانس لیا ۔

اب زبیدہ کی شادی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی جائے گی۔ تاج میں نوبے ڈنر، اسٹیڈیم میں ریسپشن — ایک دفعہ دولہا والوں کی آنکھیں تو پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔

" آپ اطمینان سے منشی پدھاریے سرکار۔ مگر وہ لوگ کل تک بے مینٹ کرنے کو کہتے ہیں۔ پھر پرسوں بینک بند ہوگا۔"

" کل تمام بے مینٹ ہوجانے چاہییں۔ عین وقت پر کوئی اڑچن نہ پڑے۔ معاملہ نازک ہے، ذرا سی بھی لاپروائی ہو گئی تو سب کیے دھرے پر پانی پھر جائے گا۔"

" دلی موٹر سے جائیں گے سرکار؟"

" ہاں۔ میرا یہاں نہ رہنا ہی ٹھیک رہے گا۔ جو کچھ ہو میری غیر حاضری میں ہونا چاہیے۔"

" جی ہاں سرکار۔ اگر آپ ہوتے تو مجال تھی جو کچھ ہو جاتا۔" منشی جی شرارت سے مسکرائے۔

" روپیہ لاکر سے آج ہی نکلوا لیں گے۔ ایسے موقعوں پر کوئی فیکٹری کے کام کے لیے بھی چیک نہیں تڑانا چاہیے۔ تفتیش کے وقت یہ لوگ ذرا ذرا سی باتوں پر پریشان کرتے ہیں۔ ویسے میں نے سب ہی کو خوش کر دیا ہے۔ ہم اشوکا میں ٹھیریں گے۔ اگر ادھر ادھر کہیں دعوت میں ہوئے تو ہمیں اطلاع پہنچ جائے گی۔"

" جی ہاں حضور : ' گلاب کی قلمیں پھل گئیں ! ' "
منشی جی مسکرائے ۔

" اور اگر کچھ گڑبڑ ہو جائے تو ؟ "

" ' قلمیں سوکھ گئیں ۔ ' حضور ذرا بھی ڈھیل ہو جائے تو جو چور کی سزا سو غلام کی ۔ آ وہ میں " منشی جی مؤدب انداز میں فکر مند ہو گئے ۔ "

" ہاں ہاں کہو ۔ تمہارے گھر کا روپیہ ادا ہو گیا ؟ "

" جی وہ تو آپ کی عنایت سے ہو گیا ۔ میرے بال بچے حضور کے اقبال کو دعائیں دیں گے ساری عمر ۔ وہ آپ کی کنیز کی رخصت ہے ۔ بس دو منٹ کے لیے تشریف لے آتے تو میری عزت کو چار چاند لگ جاتے ۔ "

" تم جانتے ہو ہم اتنی جلدی واپس نہیں لوٹ سکتے ۔ چوھدری صاحب کو ہم دہلی سے ہدایات دے دیں گے ، وہ سیٹ بھیج دیں گے ۔ "

" حضور ہم غریبوں کے ہاں جہیز میں وہ سیٹ تو جیسے ٹاٹ میں ریشم کا پیوند معلوم ہوگا ۔ ویسے شادی اگر دھوم دھام سے نہیں بس سیدھی سادی طرح نمٹ جائے تو "

" تم کیش چاہتے ہو ؟ اچھا ہو جائے گا اس کا بھی انتظام ۔ "

جب منشی جی دعائیں دیتے رخصت ہو گئے تو راجہ

صاحب بولے " ایک حرامی ہے ۔"

" کون ؟" نیلوفر چونک پڑی ۔

" یہی منشی کا بچہ ۔ کیشں چاہیے ۔ بھروسہ نہیں ہمارے اوپر ۔"

" اور آپ ہیں کہ اس کے دیے اتنا اہم کام سونپے دے رہے ہیں ۔ نکال باہر کیوں نہیں کرتے سؤر کو ؟"

" تم نہیں سمجھتیں معصومہ بی بی ۔ ' اہم ' کاموں کے لیے حرامزادوں ہی کی ضرورت پڑتی ہے ۔ اچھا آج ذرا ہو جائے ۔ تم اپنا وہ جوڑا پہنو — وہ بسنتی والا ۔ آج ہم بڑے موڈ میں ہیں ۔"

انہوں نے کچھ اس انداز میں کہا کہ نیلوفر کو معلوم ہؤا وہ ایک رنڈی ہے ۔

" اونہہ ، چولھے میں جائے !" اس نے سوچا ۔ نہ جانے وہ کسے چولھے میں جھونک رہی تھی ۔ ان گلاب کی قلموں کو جو لگائی جانے والی تھیں ، معصومہ بی بی کو یا ساری کائنات کو ؟

ساری رات قوالی کی محفل جمی رہی ۔ شہر کے عمائدین جمع تھے ۔ پچھلے کمرے میں ناؤ و نوش کا بھی انتظام تھا ۔ بڑے بڑے افسر ، قومی رہنما ، شاعر ، ادیب جھوم جھوم کر داد دیتے رہے ۔ ایک طرف پردہ دار بیویوں کے لیے چقیں پڑی تھیں ۔ نیلوفر بنفشہ کے تر و تازہ پھول کی طرح اندر

باہر ہوسٹس ہی پھر رہی تھیں۔ بیویاں آپس میں کھسر پھسر کر رہی تھیں:

" دلی کی نوبہار کی بیٹی ہے۔"

" بمبئی میں فلم ایکٹرس ہے۔"

" بہیں جی بڑے اونچے گھرانے کی لڑکی ہے، آوارہ ہو گئی۔ راجہ صاحب پر دل آ گیا، گھر بار چھوڑ کر بھاگ آئی۔"

بیویاں کھسر پھسر کرتیں، مگر نیلوفر کو قریب آتے دیکھ کر کہنے لگتیں:

" اے بہن آپ تو یکساں گھوم رہی ہیں۔ بڑی تکلیف ہوئی آپ کو۔"

نیلوفر چنا ہؤا شموں کا دوپٹہ ایڑیوں سے گھکرتی، کہنیوں تک ڈھیلی کارگے کی آستیں سنبھالتی دم بھر کو بہنوں کے جھمگٹے میں بیٹھتی، پھر اٹھ کھڑی ہوتی۔

" بہن ذرا گلوریاں بھجوا دوں، ابھی حاضر ہوئی۔" اور وہ پھر محفل میں جا بیٹھتی۔

فارسی اور اردو کی قوالیوں پر سامعیں سر دھن رہے تھے۔ راجہ صاحب کو شعر و ادب سے عشق تھا۔ محفل ختم ہوتے ہی وہ کار سے روانہ ہونے والے تھے اور بار بار یاد دلا رہے تھے۔

نیلوفر جو سوڈا دیکھنے پچھلے کمرے میں گئی تو اس کا کلیجہ دھک سے رہ گیا۔ پچھلی طرف لان پر کوئی پچاس

ساتھ سنٹلے مع سامان کے لاریوں سے اتر رہے تھے ۔ منشی جی انہیں چھولداریوں میں لے جا رہے تھے ، مگر ان میں سے زیادہ تر ادھر کمرے کی طرف متوجہ تھے ۔ " ادھر آئیے ۔ آپ کے لیے اس چھولداری میں سارا انتظام ہے ۔" وہ انہیں سب سے الگ چھولداری میں لے گئے ، جہاں مالی سوڈے کی بوتلوں کا بکس لے جا رہا تھا ۔

" یہ چھولداریوں میں کون لوگ ٹھہرائے جا رہے ہیں ؟" اس نے راجہ صاحب کو قوام کی گولی دیتے ہوئے پوچھا ۔

" ودیارتھی ہیں ۔ آگرے سے تاج محل دیکھ کر لوٹ رہے تھے ، منشی جی نے کہا انہیں ایک رات ٹھہر لینے دیا جائے ۔"

" ائے ہے کمبخت ڈاکو لگ رہے ہیں بالکل ۔"

" اور میں کون لگ رہا ہوں ؟ میں بھی تو حسن کا ڈاکو ہوں ۔ قسم سے آج غضب کا نکھار ہے ۔" راجہ صاحب نے شرارت سے اس کی چھنگلی میں چٹکی لی ۔

کوئی ڈھائی تین بجے مہمان رخصت ہوئے ۔ ابھی کچھ لوگ جا ہی رہے تھے کہ راجہ صاحب مع نیلوفر اور چپڑاسی کے اسٹیشن ویگن میں سوار ہوکر روانہ ہو گئے ، تاکہ سند رہے کہ وہ تو پہلے ہی چل دیے تھے ۔

نیلوفر نے اپنا تھکا ہوا سر سیٹ کی گدی پر ٹکا دیا اور

آنکھیں بند کر لیں۔

" ارے بھئی سونے کی شرط نہیں۔" راجہ صاحب نے بٹن دبایا۔ سامنے کی سیٹ میں چھوٹی سی بار کھل گئی۔
" بھئی بہت تھک گئے۔" وہ نیلوفر کی گود میں نیم دراز ہو گئے۔

پانچواں باب

وہ رو رہی ہے - ہولے ہولے خاموشی سے رو رہی ہے - اس کا چہرہ اندھیرے میں کھویا ہوا ہے سر جھکا ہوا ہے اور کوئی نہیں جان سکتا کہ وہ رو رہی ہے ، ڈر رہی ہے، کیوں کہ اس کے رخساروں پر بہنے والے آنسوؤں میں ستاروں کی جوت نہیں ، جو اتنے کالے ، اتنے دبیز اندھیرے میں چمک سکیں - کوئی آرہا ہے - اس کے پیچھے - بے پاؤں - کوئی غیر مرئی ہیولا - جھجاتا ہوا عفونت کا ڈھیلا ڈھیلا سیاہ انبار - اب دیکھا ، اب جانا - بس ایک ہی جست میں آسے دبوچ لے گا - وہ جا رہی ہے - جا رہی ہے - ایک سنسان سڑک پر اکیلی روتی جا رہی ہے - درندے کے لمبے لمبے دھار دار دانت خون میں لتھڑے ہوئے ہیں - یہ ان لوگوں کا خون ہے جو اس راہ پر بیلوفر کی طرح تن تنہا گزرے ہیں -

آس کی چیخ کی کڑا ٹوٹ گئی ہے - وہ ہچکیوں سے رو رہی ہے - چپ چاپ اندھیرے میں تنہا رو رہی ہے - فضا میں گلے سڑے گوشت اور داغدار چمڑے کی بوجھل بو ہے ، جیسے گرم تپتے ہوئے لوہے کو تازہ تازہ خون میں بجھا دیا ہو - کانچ کے ذرے آس کے ناخنوں سے اترتے ہوئے دل تک

ریںگ رہے ہیں۔ دماغ میں تاریک قینچیاں چل رہی ہیں، جیسے کوئی ابشاں کتر رہا ہو۔ اور ابشاں کا ہر ذرہ نشتر بن کر مسامک میں گھس رہا ہے۔ کوئی دم میں اُس کی ہستی کرچی کرچی ہو جائے گی۔ درندہ چلا آ رہا ہے۔ اُس کے پنجوں کے چٹخنے کی آواز دور بدلی میں چھپے بادلوں کی طرح کڑک رہی ہے۔ اس کے پیر سن سن بھر کے ہو گئے۔ ٹوٹی ہوئی گڑیا ہتھیلیوں میں چبھنے لگی۔ آخری سیڑھی سے آگے نا معلوم خلا بگولے کی طرح اٹھنے اور آپسے دبوچنے لگے۔ اپنے جی کا زور لگا کر وہ چیخی، مگر معصومہ خاموش رہی۔

اُس نے دیکھا کہ وہ ایک زرنیں قبر میں بند ہے۔ آبنوس کا کمس آسے اپنے شکنجے میں جکڑے آہستہ آہستہ سکڑ کر تنگ ہوتا جا رہا ہے۔ زر بفت، کمخواب اور شموں کے تھان اُس کے پھیپھڑوں میں ٹھستے چلے جا رہے ہیں۔ جگمگ کرتے جواہرات اُس کے گوشت میں کنکھجورے کی طرح ہولے ہولے دھنس رہے ہیں۔ پکھراج پیپ کی طرح رس رہا ہے۔ یاقوت چھالے زخم کی طرح بہہ رہے ہیں۔ موتی سفید کیڑوں کی طرح اُس کے جسم پر سرک رہے ہیں۔

سانس گئی۔ اب لوٹ کر نہیں آئے گی۔ یہ آخری سانس تھی۔
ایک زخمی سسکی کے ساتھ اُس کی آنکھ کھل گئی۔

سے کھلا رہ جانے سے اس کا تالو خشک ہو گیا تھا۔ زبان جوتے کے تلے کی طرح سن اور کھردری ہو رہی تھی۔ جسم پسینے میں ڈوبا ہؤا تھا۔ مریض کتیا کی طرح وہ کراہتی کانپتی اٹھ بیٹھی۔

جب پتلیاں ایک نکتے پر پڑیں تو اس نے دیکھا وہ ایک نہایت شاندار کمرے میں ڈبل بیڈ پر پڑی بور رہی ہے۔ پہلو کا تکیہ خالی ہے، مگر کسی کے سر کا نشان دیکھ کر اندازہ ہؤا کہ وہ رات تنہا نہیں رہی۔ تھوڑی دیر تک تو اسے یاد نہ آیا کہ کس کے سر کے بوجھ سے تکیہ دھنسا ہؤا ہے۔ وہ بالکل بھول گئی تھی کہ آج وہ کس کے ساتھ ہے۔

پھر ادھر ادھر بکھرے ہوئے لباس سے اسے یاد آیا کہ وہ راجہ صاحب کے ساتھ رات کو موٹر میں روانہ ہوئی تھی۔ راستے میں دونوں بدمست ہو گئے تھے۔ نہ جانے کمرے تک وہ کیوں کر پہنچی۔ راجہ صاحب ہی لائے یا انہوں نے کسی دوست کو اسے ادھار دے دیا۔ یا پونا کی طرح ڈرائیور کو بخش گئے۔ ایک دم اکیلے پن سے ڈر کر وہ کانپنے لگی۔ غسل خانے میں پانی گرنے کی آواز پر وہ چونکی اور جلدی سے اٹھ کر بھاگی۔

پہلے تو وہ سمجھی کوئی پیلے رنگ کا بڑا سا مینڈک ٹب میں کود پڑا ہے، مگر فوراً ہی وہ راجہ صاحب کو

پہچان گئی ۔ اور ایک دم سے تنی ہوئی طنابیں ڈھیلی پڑ گئیں ۔ وہ وہیں اکڑوں بیٹھ کر ہنسنے لگی ۔

" ارے تم جاگ اٹھیں ۔ "

وہ ہنسے گئی ، جیسے کھوئی ہوئی کنجی مل جائے ۔ یہ پہلی پہلی حسین دروازے کی کنجی !

" ارے کیوں ہنس رہی ہو ؟" راجہ صاحب ہنسے۔

" اوہ ! " وہ پیٹ پکڑ کر جھک گئی ۔

" ذرا ہماری پیٹھ مل دو ۔ " پیٹھ ملتے وقت اس نے زندگی میں پہلی بار راجہ صاحب کو دیکھا ۔ وہ ہمیشہ اتنا پرے ہوتی تھی کہ غور ہی نہیں کیا کہ ان کے کندھے ڈھلکے ہوئے ہیں اور ٹانگیں بہت ٹھگی ہیں ۔ کپڑے پہن کر وہ بالکل بدل جاتے ہیں ، اتنے بھونڈے نہیں لگتے ۔

مگر اتنے میں راجہ صاحب کو شرارت سوجھی اور اسے ٹب میں گرا لیا اور دونوں بچوں کی طرح چھلیں کرنے لگے کہ اتنے میں ٹیلی فون کی گھنٹی بجی ۔ ہاتھ بڑھا کر راجہ صاحب نے ٹیلی فون اٹھا لیا ۔

" گلاب کی قلمیں لگ گئیں ۔" راجہ صاحب نے آہستہ سے ٹیلی فون رکھ دیا اور بڑے پیار سے نیلوفر کے سر پر صابن ملنے لگے ۔ مزے مزے سے نہا کر دونوں نے کمرے ہی میں ناشتہ کیا ۔

" تم تیار ہو جاؤ تو بازار چلیں۔"

" تھکن آ رہی ہے، شام کو چلیں گے۔"

" شام کو کہیں اور جانا ہے۔ اچھا کہو تو یہیں اڑھیاں اور زیورات منگوا لیں۔"

" نہیں وہ پرانی سڑی چیزیں اٹھا لائیں گے۔ اچکن کے ے کمخواب بھی دیکھنا ہے۔ کس دکان کا ذکر کر رہے ھے آپ؟"

مگر نیلوفر نے دیکھا وہ کچھ سن نہیں رہے ہیں۔ بار ر سگریٹ سلگاتے ہیں اور پوری کی پوری ایک کش لے کر پھینک دیتے ہیں۔ وہ یونہی اخبار اٹھانے لگی تاکہ یکھے شاید کوئی نیا انگلش فلم چل رہا ہو، تو جلدی سے ہوں نے اس کے ہاتھ سے اخبار لے لیے۔

" بس جلدی تیار ہو جاؤ، گیارہ بج چکے ہیں۔"

نیلوفر نے سارِیڈون کی ایک گولی حلق سے اتاری اور ے دل سے تیار ہونے لگی۔ شاید جواب کی وجہ سے دل ھا بجھا سا ہو رہا تھا۔

راجہ صاحب نے خزانے کا منہ کھول دیا اور اس نے ی بھر کے ساڑھیاں خریدیں۔ ڈنر سیٹ، کٹلری اور چائے سیٹ براہِ راست بمبئی بھجوانے کا آرڈر دیا۔

" ارے صاحب اندھیر ہو گیا۔" دکان دار ایک دم

سے راجہ صاحب سے کہنے لگا ۔
" کمخواب کے وہ دونوں تھان بھی رکھ دیجیے ، جو پسند آئے گا وہ لے لیا جائے گا ۔" راجہ صاحب نے بات کاٹی ۔
" کیسا ادھر ؟ " نیلوفر نے پوچھا ۔
" کچھ نہیں بیگم صاحب ۔ وہ وہ ٹیکس اور بڑھا دیا سارسی کپڑے پر ۔" دکان دار نے فوراً بات پلٹی ۔
نیلوفر ایک آتشی رنگ کی ساڑھی پر ایسی لٹو ہوئی کہ اس نے راجہ صاحب اور دکان دار کو قطعی فراموش کر دیا اور آئینے میں کندھے پر ساڑھی پھیلا کر دیکھنے لگی ۔
"بھئی شام کو یہی پہن کے چلنا ۔" راجہ صاحب مسکرائے ۔
" اُمہہ ! لعنت ! ہم نہیں جائیں گے اس سؤر کے ہاں ۔"
" ارے کیوں نے چارے کو مارتی ہو نے موت ۔ صبح سے دو دفعہ ٹیلی فون کر چکا ہے ۔"
" نفرت ہے اس کرنل کے بچے سے ۔"
جوہری کے ہاں جاتے وقت انہوں نے راستے میں سو کمبل ، مٹھائیوں کے ٹوکرے ، بسکٹوں کے پیکٹ اور پھل وغیرہ خریدے ۔
" یہ سامان کیوں خرید رہے ہیں ؟"
" اناتھ آشرم میں بانٹنا ہیں ۔" یہ کہہ کر انہوں نے وہیں سے پانچ چھ جگہ ٹیلی فون کیے ۔
اچھا ! جب ہی راجہ صاحب مصر تھے کہ سادہ ململ

کی ساڑھی پہنو ۔ خود بھی کھدر کا چوڑی دار پاجامہ اور کرتا پہن رکھا تھا ۔

یتیم خانے میں اخباروں کے نمائندے اور فوٹوگرافر موجود تھے ۔ بچے صاف کپڑوں میں کٹھ پتلیوں کی طرح بھونچکے کھڑے ہوئے تھے ۔ راجہ صاحب نے بچوں کو مٹھائیاں دیتے ہوئے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے تصویریں کھچوائیں ۔ نیلوفر نے بڑے پوز مار کر کمبل اور سویٹر دیے ۔ اسے چاروں طرف سے اخبارچیوں اور فوٹوگرافروں نے نرغے میں لے کر سوالوں کی بوچھاڑ کر دی :

" بمبئی کے کس علاقے میں آپ سوشل ورک کرتی ہیں ؟"

اس کا جی چاہا کہہ دے ۔ " اے روڈ پر ! " مگر راجہ صاحب آڑے آ گئے :

" کوئی خاص علاقہ مخصوص نہیں ۔ بس جنرل ورک کرلیتی ہیں ۔"

" آپ وہاں پیشہ ور عورتوں میں کام کیوں نہیں کرتیں ؟"

نیلوفر کا جی چاہا زور کا قہقہہ لگائے ۔

" وہیں تو کام کرتی ہوں ۔" اس نے ڈھٹائی سے کہا ۔

" جی ہاں پون پل اور فارس روڈ ۔" راجہ صاحب نے اس کے بازو میں کہنی مار کر جلدی سے لگام اپنے ہاتھوں میں تھام لی ۔

"کس قدر شرم کی بات ہے کہ ہم لوگ آزاد ہو گئے لیکن پھر بھی اس نے شرمی کے پیشے کا انسداد نہیں ہؤا۔"
اس نے بڑی سنجیدگی سے اصرار کا بڑھا ہؤا حملہ دہرایا۔

اناتھ آشرم کے دو چھوٹے چھوٹے بچوں نے ہار پھول پہنائے اور مہتمم صاحب نے رانی صاحب کی شان میں ایک لمبا چوڑا قصیدہ پڑھا۔ ان کی فیاضی، دریا دلی اور کسر نفسی پر روشنی ڈالی۔ پھر ان کے وہ تمام احسانات گنائے جن کے بوجھ سے اسامیوں کی کمر دہری ہو چکی تھی۔ نیلوفر سے انہوں نے کہا۔

"ہمارے دھن بھاگ ہیں کہ آپ جیسی دیوی کے درشن پراپت ہوئے۔ ہماری قوم اور ملک کو آپ ہی جیسی مہان دیویاں کلیان کر سکتی ہیں۔"

نیلوفر کے حلق میں قہقہہ گدگدانے لگا۔ اس کا جی چاہا کہہ دے

"الو کے پٹھے کیا تیری ماں بہن بھی ملک کی اسی طرح سیوا کرتی ہیں؟"

واپسی پر رانی صاحب بہت مگن تھے۔

"بھئی واہ جنو، تم نے تو زور باندھ دیا۔ یہ سب اس سفید ساڑھی کا چمتکار تھا۔ بالکل دیوداسی لگ رہی تھیں۔ ارے تم مجھ سے لڑو جھگڑو نہیں تو سچ کہتا ہوں چباؤ میں

کھڑا کر دوں ۔''

'' اے ہٹیے بھی ۔ مجھے تو وحشت ہو رہی تھی ۔''

'' ارے سب وحشت ختم ہو جائے گی ہولے ہولے ۔''

'' آج کرنل کی دعوت گول کر جائیں ؟'' اس نے راجہ صاحب کا موڈ دیکھ کر کہا ۔

'' نہیں جی خوامخواہ اکتا جائے گا ۔ بڑا بد ہے منحوس ۔''

'' مگر آپ تو کہہ رہے تھے جون جرمانہ بھی ہوگا ۔''

نیلوفر نے قریب قریب چیخ کر کہا اور اخبار کو دونوں ہاتھوں سے کھسوٹنے لگی ۔

'' میرا تو سارا پلان لوٹ پوٹ ہو گیا ۔''

'' جھوٹ!'' وہ اخبار میز پر بچھا کر ، اس پر دونوں مٹھیاں مار مار کر چیخی ۔ '' یہ دیکھیے !''

'' اچھا زیادہ بک بک نہ کرو ۔ اٹھو تیار ہو جاؤ ۔ وہی گلابی ساڑھی پہنا ، تم پر خوب کھلتی ہے ۔''

'' خاک پڑے کپڑوں پر ۔''

'' تو کیا مطلب تمہارا ؟ کیا غنڈے میرے کارخانے کو آگ دیتے تب ہی تمہیں خوشی ہوتی ؟''

'' کون سے غنڈے ؟''

'' وہی جو میرے دشمن ہیں ۔ جن کی وجہ سے میرا کارخانہ بیٹھا جا رہا ہے ۔''

" وہ موئے دو کوڑی کے مستری ، بھلا ان کی اتنی بساط تھی کہ آپ کا کچھ بگاڑ لیتے ؟ "

" کیا عقل مند ہو حی ۔ تمھیں نہیں معلوم وہ میرے کارخانے کے لیے موت کا سندیسہ لیے ہوئے تھے ۔ ان کے بنائے ہوئے پرزے سستے بھی ہوتے تھے اور بہتر بھی ہوتے تھے ۔ وہی لوگ تو آگ لگانے چڑھ دوڑے تھے ۔ کیا مرضی ہے تمھاری ، منشی انہیں کارخانہ بھسم کر لینے دیتا ؟ "

" تو پھر یہ کالج کے لڑکے کیوں لپیٹ میں آ گئے ؟ "

" اُہوہ ، یہ لڑکے تو بدمعاش ہوتے ہی ہیں ۔ سنتے ہیں کہ کالج کے کسی لڑکے کو چار پانچ اسٹوڈینٹس نے پیٹ دیا ۔ دوسرے فرقے کے ودیارتھیوں کو جو خبر ملی تو وہ بھی بھنا اٹھے ۔ آخر وہ اپنے ساتھیوں کو پٹتا دیکھ کر کیسے خاموش رہتے ؟ بس اتنی سی بات کو لے کر اچھال رہے ہیں یہ اخبار والے ۔ "

" اور پولیس ؟ "

" بس ذرا دیر سے پہنچی ۔ اتنی دیر میں لوگ آگ لگا چکے تھے ۔ معاملہ قابو سے باہر ہو گیا ۔ یہ سب ان کالج کے لونڈوں کی بد ذاتی کا نتیجہ ہے ۔ معاف کرنا یہ لوگ تو بات بات پر غنڈہ گردی پر تل جاتے ہیں ۔ ان کی ذہنیت ہی دنگے فساد کی ہے ۔ "

" نہیں یہ بات نہیں۔ بازار میں لوگ کہہ رہے تھے کہ باہر سے غنڈے بلا کر عمداً بلوہ کرایا گیا ہے۔ پہلے سے ساری تیاریاں کرلی تھیں۔ چاقوؤں اور ایسڈ کے بموں سے حملہ کیا گیا۔"

" کیا بکواس بازار میں سے سن آئیں اور میرا بھیجا چاٹ رہی ہو۔"

" مگر وہ جو رات کو لاریوں میں سے اتر رہے تھے، مجھے تو غنڈے لگ رہے تھے۔"

" تمہارا مطلب ہے دس پندرہ غنڈوں نے یہ طوفان کھڑا کر دیا۔"

" پچاس سے کم نہیں تھے۔ بعد میں اور لاریاں بھی آئیں۔"

" چلو وہ پچاس ہی ہوں گے، مگر وہ لوگ تو کہہ رہے تھے کہ پانچ ہزار کا مجمع دھاوا بولنے آیا تھا۔ اسی سے اندازہ لگا لو کہ یہ لوگ رائی کا پربت بنا رہے ہیں۔"

" آگ لگانے کو چنگاری بھی کافی ہوتی ہے۔"

" تمہارا مطلب ہے یہ بلوے میں کرایا کرتا ہوں؟"

" آپ نہیں تو آپ ہی جیسے کوئی دوسرے ہوں گے۔ ورنہ یہ بتائیے کہ اگر یہ کالج کے لڑکوں کی لڑائی تھی تو زیادہ تر وہ غریب بستی کیوں تباہ ہوئی جو آپ کے کارخانے کے لیے خطرہ بنے ہوئے تھے؟ انہیں کی

جھونپڑیاں اور دکانیں جلیں جو آپ سے ہٹ کر رہے تھے ۔''

چند سیکنڈ کے لیے ہوٹل کے کمرے میں موت کا سا سناٹا چھایا رہا ۔ نیلوفر کو ایسا لگا جیسے صدیاں خاموشی سے بیت گئیں — اور پھر طوفان ٹوٹ پڑا :

'' دو ٹکے کی رنڈی اور ہمارے منہ آئے ! کوئی نیا یار ڈھونڈ لیا ہے کیا ؟ میں جتنی طرح دے رہا ہوں اتنا ہی پیر پسار رہی ہے ۔ کتنی بار کہا کہ یہ باتیں تمھاری سمجھ سے باہر ہیں ۔ یہ قادر بھائی سے معاملہ چل رہا ہے ، اسی نے کان بھرے ہوں گے تمھارے ۔ غدار زمانے بھر کا ۔ پول کھول دوں تو لینے کے دینے پڑ جائیں ۔ سالے نے بلیک مارکیٹ کا روپیہ کھلا کھلا کر حامی جمع کر لیے ہیں ۔ انھیں کے بل بوتے پر اکڑتا ہے ۔ تم مجھے فرقہ پرست کہہ رہی ہو ؟ تمھیں میں نے کنگالی سے ایک دم رانی بنا کر بٹھا دیا ۔ میرے دوستوں میں ہر فرقے کے لوگ ہیں ۔''

نیلوفر کے بھیجے میں طوفان ابلنے لگے ۔ وہ بھی غصے کی پوری تھی ۔

'' میں نے آپ کو فرقہ پرست نہیں کہا ۔'' وہ بڑے ضبط سے بولی ۔

'' پھر کیا کہا ؟''

'' میں نے تو ۔ میں نے کچھ نہیں کہا ۔'' وہ پھوٹ

پھوٹ کر رونے لگی۔

" تم نے مجھے ھوں کہا — پاکھنڈی کہا — اور کیا کہنا چاھتی ہو؟ جاؤ اور بھرے بازار میں کہتی پھرو، دیکھیں گے ہم بھی کہ کون سنتا ہے تمہاری؟ اپنے کو سمجھا کیا ہے تم نے؟ قسم سے میں بھی ابھی سی پر آ جاؤں تو بمبئی میں جینا دوبھر ہو جائے گا۔ فارس روڈ پر سڑ کے مروگی۔ کوئی شریف آدمی جم میں تھوکے گا بھی نہیں۔ یہ سالا فلیٹ سلیٹ چار دن میں نیلام کرا کے وٹ پاتھ پر ڈلوا دوں گا۔"

نیلوفر سر جھکائے آنسو بہاتی رہی۔

راجہ صاحب موم کے نہ سہی، نمک کے بنے ہوئے ضرور تھے، جلد ہی بہنے لگے۔

" اچھی میری دوست بنتی ہو۔ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکی ہو کہ کارخانے میں گھاٹا ہی گھاٹا ہے۔ ایک ایک بوند کے لیے گھٹنے ٹیک دینے پڑتے ہیں۔ اگر ڈھیل دیتا چلا جاؤں تو دو دن میں دیوالہ پٹ جائے۔ ایک سے ایک بڑھ کر مگرمچھ منہ پھاڑے ہوئے ہے۔ تم ان باتوں کو نہیں سمجھتیں۔ کہاں تک تمہارے دماغ میں کوئی ٹھونسے۔ ہم لوگوں کی مشکلوں کا کوئی ٹھکانا ہے؟ آدھر برس میں بیا تسو پھیلائے پڑا ہے۔ جاگیریں چھن گئیں۔ گورنمنٹ

کوئی حفاظتی قدم نہیں اُٹھاتی ۔ اپنا بچاؤ خود ہی کرنا پڑتا ہے ۔ چلو مان لیا کہ میں نے اپنے کاروبار کی حفاظت کے لیے ذرا سختی سے کام لیا ، تو اس کا یہ کیسے مطلب ہؤا کہ بلوہ میں نے کر وایا ۔ یہ اتنے شہروں میں جو خون خرابہ ہو رہا ہے ، کیا وہ بھی میں نے کروایا ہے؟ مجھے کیا نفع ہؤا ان جھگڑوں سے؟ وہاں تو میرا کوئی کاروبار بھی نہیں ۔ یہ لوگ تو دیوانے کتوں کی طرح لڑا ہی کرتے ہیں ۔ نیچی قوم کے لوگ ہی مرتے کٹتے ہیں ، شریف تو ہر طرح مل جل کر ہی رہتے ہیں ۔"

نیلوفر چپ چاپ بھاشن سن کر پلنگ پر اوندھے منہ پڑ گئی ۔

" اب یہ رو رو کر آنکھیں سجانے سے فائدہ ؟ " انہوں نے اُس کا شانہ ہلایا ۔

" بھاڑ میں جائیں یہ سب ۔ " نیلوفر نے ٹھنڈے دل سے سوچا ۔ " بقول کسے دو پیسے کی ٹکھیائی ہوں ، کوئی قوم کی لیڈر تو نہیں ۔ نہ جانے کون جھوٹا ہے اور کون سچا ۔ کون مارتا ہے اور کون مرتا ہے ۔ سب کچھ خدا کی مرضی ہی سے ہوتا ہے ۔ وہ سب سے بڑا منصف ہے ۔ وہ ہر مجرم کو خود ہی سزا دے گا ۔ جسے چاہے گا عزت دے گا ، جسے چاہے گا ذلت دے گا ۔ یہ چندن ہار ، بنارسی

جوڑے ، ربیدہ کے دولھا کا جوڑا ـ اگر ربیدہ کی شادی میں خدا نہ کرے کوئی کھنڈت پڑگئی تو کیا یہ مردے جی اٹھیں گے ؟ ان کی جلی ہوئی دکانیں اور جھونپڑیاں پھر سے بن جائیں گی ؟ جب معصومہ بیلوفر بنی تو دنیا والے کہاں تھے ؟ کس نے سر پر ہاتھ دھرا ؟ یہاں تو بس اپنی ڈفلی اور اپنا راگ ! اپنی بلا سے کوئی جیے یا مرے ۔"

" اے جی میں کہتا ہوں اب اٹھو گی یا پڑی سوگ منائی رہو گی ۔" راحت صاحب اس سے بھڑ کر لسٹ گئے ۔

" جائیے ہم سے بات نہ کیجیے ۔" دم بھر کے لیے گمراہ ہونے والی رنڈی جاگ اٹھی ۔

" اچھا ذرا ہماری طرف منہ کرو ۔"

" رہنے دیجیے ۔ ذرا بھی کوئی بات کروں تو کاٹ کھانے کو دوڑتے ہیں ۔ میرے دل میں کوئی شبہ ہو تو آپ سے نہ کہوں تو کیا چوراہے پر پوچھتی پھروں ؟ اس مردود قادر بھائی سے جا کر پوچھوں ؟ کیسی جلی کٹی سناتا ہے جب ملتا ہے تو ۔"

" کیا جلی کٹی سناتا ہے ؟"

" کہ شریف خاندان کی لڑکی ایسے لوگوں کے چکر میں کیوں پھنسی ؟"

" پھر تم نے کیا جواب دیا ؟"

" میں نے کہہ دیا کہ یہ لوگ میرے فیملی فرینڈ ہیں۔ میں تو اپنی بہن کا جہیز خریدنے آئی ہوں۔ زبیدہ کے سسرال والوں کا نام سن کر اتنا سا منہ نکل آیا۔"

" پھر ؟"

" پھر فساد کے بارے میں کہنے لگے کہ سب پہلے سے تیاریاں ہو چکی تھیں۔"

" اور تم نے یقین کر کے میرا بھیجا چاٹنا شروع کر دیا۔ اچھا اُس نے یہ بھی بتایا کہ ان لوگوں نے میرے کارخانے میں آگ لگانے کی کوشش کی تھی۔"

" قادر بھائی کہہ رہے تھے کہ دو ہی جھوٹ موٹ باہر سے لوگوں کو بلا کر چوکیدار کی کوٹھری میں خود ہی آگ لگوا دی۔"

" اور پھاٹک جو توڑ ڈالا، وہ بھی میں نے خود تڑوایا ؟ تمام کھڑکیوں کے شیشے چکنا چور کر دیے۔ اس حرام زادے کی باتیں سن کر تم نے یقین کر لیا۔"

" کمبختوں نے بے چارے چوکیدار کی کوٹھری کیوں جلا دی ؟"

" وہ دوسری بن جائے گی۔ میں نے منشی سے کہہ دیا ہے کہ اُسے اپنی کوٹھی کے شاگرد پیشے میں جگہ دے دیں اور پکی کوٹھری جلدی سے بنوا دیں۔

مجھ سے تو جو کچھ بھی ہو سکتا ہے ان عرسوں کے لیے کرتا ہی رہتا ہوں۔ اچھا اب آٹھو بھی۔ تیار ہو جاؤ، پھر کیا بتا ہوں آس سے۔"

" آوں — ہمارا جی نہیں چاہتا۔"

" برا مان جائے گا بھئی۔"

" مانیے دو مرِدے کو۔ آپ کا کام تو پورا ہو گیا اب۔"

" ارے نہیں بھئی۔ اصل کام تو اب پڑے گا مالے سے۔ تم کیا سمجھی ہو، ایک سے ایک حرامی بھرا پڑا ہے۔ ابھی تو جھگڑے آٹھائے جائیں گے، انکوائری ہوگی، رپورٹیں تیار ہوں گی۔"

" پھر؟"

" پھر یہ کہ کرنل بڑا بارسوخ آدمی ہے۔ بڑا لچا ہے۔ اس سے معاملہ طے ہؤا تھا۔ اب اگر میں اپنی بات سے پھر کر عجیب دے جاؤں تو میری جان کا دشمن ہو جائے گا۔ قادر بھائی کی پارٹی سے مل کر بہت ہلکان کرے گا۔ کمیٹی پر آس کا نام ضرور ہوگا۔ کسی نہ کسی طرح میرا یار ہر جگہ گھس ہی جاتا ہے، اس لیے سہنا پڑے ہیں آس کے نخرے۔"

" مر جائے کمبخت!"

" تمہارے منہ میں گھی شکر۔ مگر یہ جھگڑا ختم

ہو جائے ایک دفعہ ، پھر میں بھی سالے کو وہ مزا چکھاؤں گا
کہ یاد ہی کرے گا ۔ ویسے بھئی تم پر تو بری طرح لٹو
ہو گیا ہے بیچارا ۔ میرے پیچھے پڑا ہے کئی دن سے ۔
کہتا ہے کہ مڈل ایسٹ تمھیں ساتھ نہ لے جاؤں ۔''

'' کیوں ؟''

'' وہ یہاں تمھاری جدائی میں سورگ باش ہو جائے گا ۔''

'' ہو جائے کتا ، میری جوتی سے ۔''

'' اچھا تو تم ذرا بال بنوا آؤ ۔ وہی موسل کی وضع کا
جوڑا بنوانا ، اس پر وہ لمبے بندے ، جو آج خریدے ہیں ،
ٹھیک رہیں گے ۔''

'' وہ تو ربیدہ کے ہیں ۔''

'' ربیدہ کے لیے کوئی دوسرے لے لیں گے ۔''

جب نیلوفر آتشیں ساڑھی پہن کر ، موسل کی وضع کا جوڑا
باندھے ، لمبے لمبے آویزے جھلاتی بن ٹھن کر تیار ہوئی تو
راجہ صاحب نے پیچھے سے جا کر اس سے لپٹتے ہوئے کہا :
'' آنکھیں میچو ۔''

'' کیوں ؟'' وہ ٹھٹک کر بولی ۔

'' میچو آنکھیں ۔''

نیلوفر نے آنکھیں میچ لیں ۔ کھولیں تو جڑاؤ چندن ہار
کرنوں کے جال کی طرح اس کے روپہلی سینے پر تھرک رہا

تھا ۔ ایک دم آسے ایسا لگا جیسے کسی نے اس کے ننگے جسم پر پگھلا ہؤا سونا انڈیل دیا ۔ اس کا تالو خشک ہو گیا اور بے اختیار اس کے دونوں ہاتھ ہار کو نوچنے کے لیے اٹھ گئے ۔ مگر ہار میں جیسے کوئی مقناطیسی طاقت چھپی ہوئی تھی کہ اس کے ہاتھ وہیں چپک کر رہ گئے ۔ راجہ صاحب نے شانے پکڑ کر آسے اپنی طرف موڑا اور وہ ان کے ہاتھوں میں کمان کی طرح کھنچ گئی ۔

کرنل صاحب کی پارٹی بڑی جیتی جاگتی اور ہنگامہ خیز تھی ۔ غور سے دیکھنے سے پتہ چلتا تھا کہ زیادہ تر لوگ پچاس پچپن کے سن کے ہوں گے ۔ عورتیں کم سن اور چلبلی تھیں ۔ کسی کی کم از کم پہلی بیوی تو وہاں موجود نہیں ہوگی ۔ سب نیلوفر کی عمر کی یا اس سے چھوٹی ہی تھیں ۔ خواتین کی تعداد چونکہ کم تھی ، لہذا مل بانٹ کے لوگ ہنس بول رہے تھے نیلوفر اور راجہ صاحب ذرا دیر سے پہنچے ۔ ہوٹل سے ایک ایک پیگ لگا لیا تھا ، مگر وہ لوگ تو پانچ بجے سے ڈٹے ہوئے تھے ۔

'' آہاہ ، آداب عرض ہے ۔'' آسے راجہ صاحب سے الگ دیکھتے ہی قادر بھائی نے آ دبوچا ۔ وہ ٹال کر چلنے لگی تو قادر بھائی ہنسا ۔

" تو ہمارا اندازہ ٹھیک تھا ۔"

" کیا مطلب ؟" وہ رک گئی ۔

" ڈانٹ پڑی ؟"

" کیسی ڈانٹ ؟"

" ہم سے نہ اڑیے — ہم اڑتی چڑیا کے پر گن لیا کرتے ہیں ۔"

" بھئی ہم سے پہیلیاں نہ بجھوائیے ۔" اسے ہر مرد سے بتلا کر بولنے کی عادت پڑ چکی تھی ۔

" ہم سے بات کرنے کو منع کیا گیا ہے ۔ اب دیکھیے مکرنے سے کوئی فائدہ نہیں ۔"

" مکرنے کی کیا ضرورت ہے صاحب ۔ کوئی تو بات ہوگی جو منع کیا ۔"

" بات یہ ہے کہ راجہ صاحب کی اس ناچیز سے پھونک سرکتی ہے ۔"

" اچھا ؟" نیلوفر جل گئی ۔

" جی ہاں ، اس لیے کہ ہم اس کا سارا کچا چٹھا جانتے ہیں ۔ بڑا بدنصیب ہے بیچارا ۔"

" وہ کیسے ؟"

" کوئی لونڈیا ٹکتی ہی نہیں بیچارے کے پاس ۔ یار لوگ لے اڑتے ہیں ۔ گھٹا ہوا مال ہے نا ، جبھی تو نخرے

برداشت کر لیتا ہے ۔"

" آپ کو راجہ صاحب سے خدا واسطے کا بیر ہے ۔"

" نہیں ، یہ بات نہیں ۔ ہمارا وہ کیا بگاڑ سکتا ہے ؟ اس سے زیادہ ہمارا انفلوئینس ہے ۔ اس سے زیادہ ہمارے پاس پیسہ ہے ۔ وہ دو کوڑی کا زمیندار راجہ بن بیٹھا ہے ، ہم دو سو برس سے برلس میں ہیں ۔ نو اگر جلتا ہے تو وہ ہم سے جلتا ہے اور ڈرتا نہیں ہے ۔ اب نہ جو اس نے گڑ بڑ کی ہے تو ہم سے دبنا پڑے گا اسے ۔"

" کیوں ؟"

" ہمارا پرلس میں بڑا انفلوئینس ہے ۔ ہم سالے کی دھجیاں بکھیر دیں گے ۔"

" تو آپ یہ باتیں مجھ سے کیوں کہہ رہے ہیں ؟ ان ہی سے کہیے نا ۔"

" ہم تم سے اس لیے کہہ رہے ہیں کہ تم اس سے کہو کہ برلی میں جو اس کا سینما ہے وہ ہمارے ہاتھ بیچ دے ۔"

" کیا کریں گے آپ اس سینما کا ؟ ایسی کیا مار پڑی ہے ؟"

" اس سے ہمیں ضرورت ۔"

نیلوفر نے جب راجہ صاحب سے ذکر کیا تو انھوں نے بڑی موٹی موٹی گالیاں دیں ۔

" اسے ہے آخر کیا سرخاب کے پر لگے ہیں اس سودا میں؟" نیلوفر چڑ گئی۔

" بات یہ ہے کہ وہ حصہ ٹاؤن پلاننگ کے حلقے میں آنے والا ہے۔ آدمی کا رسوخ ہو تو سرکار سے بہت اچھے دام ملیں گے۔ مجھ سے اونے پونے خرید کر وہ اس کی ڈبل قیمت وصول کر لے گا۔"

" مگر اس کا اتنا اثر کیوں ہے؟"

"بس اس نے رگ داب لی ہے۔ اپنے فرقے کا لیڈر ہے، غل مچانے لگتا ہے۔ اسے خاموش کرنے کے لیے منہ بھرنا پڑتا ہے۔"

" یعنی اگر اس کا منافع ہو جائے تو اس کے فرقے کے لوگوں کی شکایتیں دور ہو جاتی ہیں "

" کم از کم یہ ان کا ذکر تو جلسوں میں نہیں کرتا۔ اخباروں میں چکنے چپڑے بیانات دے دیتا ہے۔ ویسے بالکل چمگادڑ سمان ہے، کبھی اس پارٹی میں تو کبھی اُس پارٹی میں۔ دوسرے تم نہیں جانتیں، اپنے سب سے بڑے دشمن ہم خود ہیں۔ یہاں ایک کی چوٹی دوسرے کے جوتے تلے دبی ہوئی ہے۔ ہاں تو تم اس سؤر کے بچے سے کہہ دینا کہ سودا مل جائے گا۔ میرے کارندے سے جا کر مل لے۔"

" مت دیجیے نا۔"

" نہیں جی۔ اس وقت اگر اس نے اُلٹی سیدھی کمیٹیاں

میرے پیچھے لگا دیں ، تحقیقاتیں شروع کر دیں تو بے کار کی درد سری ہو گی۔''

'' جب آپ نے کچھ کیا ہی نہیں تو پھر آپ کی جوتی ڈرتی ہے تحقیقاتی کمیٹیوں سے۔''

'' عورت کا بھجا سچ میں ہاؤ رتی کا ہوتا ہے۔ اری پگلی یہ دنیا ہے۔ تم نے دیکھا ہوگا ، اس سے پہلے کہ جانور زمین پر گرے ، گدھ منڈلانا شروع کر دیتے ہیں۔ اور ادھر لڑکھڑایا کہ بس ٹوٹ پڑے۔ نہ جانے کتنے لوگ جلے بیٹھے ہیں۔ بہانہ مل جائے تو کچا چبا جائیں۔ اس کے علاوہ قادر بھائی صاف پشت کا نیا سہی ، گرہ کی عقل کچھ نہیں۔ لے تو رہا ہے یہ سینا ، مگر سر پکڑ کے نہ روئے تو نام پلٹ دینا۔'' راجہ صاحب نے قہقہہ لگایا۔

'' کیا مطلب ؟ میں سمجھی نہیں۔''

'' نہ سمجھو رانی ، یہی اچھا ہے۔ قسم سے آج تو اپسرا لگ رہی ہو۔''

'' ہٹیے۔ سر پکڑ کر رونے کی کیا بات ہے ؟''

'' کچھ لوگ اوپر ہی اوپر پلاٹ بسا رہے ہیں۔ اگر ایسا ہؤا تو سارا ٹاؤن پلاننگ کا نقشہ ہی بدل جائے گا اور تب سالے کو پتہ چلے گا تو تلملا کر رہ جائے گا۔''

'' ارے ہے ، تب تو بڑا مزہ آئے گا۔''

" ہاں بڑا سٹپٹائے گا۔ ادھر بڑے زوروں سے جھگڑا چل رہا ہے۔ اُس کے ُپرکھوں کو بھی خبر نہیں کہ معاملہ ابھی زیرِ غور ہے۔ یعنی کھٹائی میں پڑا ہے۔ میں چاہ رہا ہوں کہ میری کھاری کوئیاں والی زمین حلقہ میں آجائے۔ بڑی نا کارہ چیز ہے، مگر اچھے دام مل جائیں گے۔"

" کیسا جھگڑا چل رہا ہے؟ "

" ارے بھی سب ہی اپنی اپنی زمینوں کو بھڑانے کی فکر میں ہیں۔ وہ تو جس کی آواز اونچی ہوگی اسی کا کام بن جائے گا۔ سب ہی زور لگا رہے ہیں۔"

پارٹی شباب پر تھی۔ ہر فرقے اور مذہب کے نمائندے موجود تھے۔ لوگ دو دو چار چار کی ٹکڑیوں میں، ہاتھوں میں گلاس تھامے، ایک دوسرے کی بدگوئیوں میں مصروف تھے۔ بیوپار، سیاست اور فلسفۂ زندگی کے موضوع سے لے کر مصنوعی اور غیر مصنوعی جسمانی ساخت تک — ہر رنگین اور بھد میلے ٹاپک پر تبادلۂ خیالات ہو رہا تھا۔ کرنل صاحب کا چہرہ فرطِ مسرت یا شراب کی گرمی سے چقندر ہو رہا تھا۔ وہ مسلسل نیلوفر کے گرد منڈلا رہے تھے۔ بار بار اس کے پیچھے آ کر کھڑے ہو جاتے اور گرم گرم سانسیں اس کی گردن پر چھوڑنے لگتے۔ ان کی توند ان سے پہلے نیلوفر سے لپٹ جاتی اور وہ بے اختیار کھلکھلا کر ہنس پڑتی۔

قادر بھائی مس بھاری سہا کے پہلو سے ایسے چسپاں ہو رہے تھے جیسے دونوں کے جسم میں ایک ہی ڈھانچہ پرویا ہؤا ہو۔ مسٹر اجیر مسز مارٹن سے ضرورت سے زیادہ بے تکلف ہوتے جا رہے تھے۔ مہماں مختصر ترین جتھوں میں تقسیم ہو رہے تھے۔ کس قدر شاندار یک جہتی کا مظاہرہ ہو رہا تھا۔ مختلف صوبوں اور فرقوں کے لوگ آپس میں یوں ایک دوسرے پر قرباں ہو رہے تھے کہ شبہ بھی نہیں ہوتا تھا کہ کبھی انہیں دو فرقوں کے انساں ایک دوسرے کے خون سے ہولی کھیل رہے تھے اور چھوریاں چلا رہے تھے۔ اگر جوش اسلوبی اور ہوشیاری سے طبقاتی کشمکش کے دھارے کو موڑ کر اسے فرقہ واریت کا رنگ دے دیا جائے تو ان مرنے مارنے والوں سے کسی کو ہمدردی نہیں رہتی۔ ان مستریوں میں، جو راجہ صاحب کے کارخانے کے لیے خطرہ بن گئے تھے، دونوں فرقوں کے لوگ تھے۔ اپنے اصلی دشمن کی طرف ان کا دھیان بھی نہ گیا۔ وہ بڑی مستعدی سے ان کے منصوبے کو کامیاب بنا رہے تھے۔

رات گہری ہو گئی۔ بوفے ڈنر کا انتظام تھا۔ بیسیوں قسم کے کھانے چنے ہوئے تھے۔ کھانے والے کھا رہے تھے، مگر زیادہ تر مرد اور چند خواتین ابھی تک پینے پر جٹے ہوئے تھے۔ بیلوفر بڑی ترنگ میں آئی ہوئی تھی۔ کرنل

صاحب اس کی پلیٹ میں مرغ کی آٹھویں ٹانگ لاد کر اس کی گردن پر گیلی گیلی پھنکارین مار رہے تھے ۔ ایک طرف ایک صاحب خاموش سب سے الگ تھلگ کرسی پر بیٹھے تھے ۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اگر ذرا سی ٹھیس لگ گئی تو ساری چھلک جائے گی ۔ ایک نہایت ہر دل عزیز شاعر صاحب نے صوفے پر بیٹھے بیٹھے نہایت بے تکلفی سے اپنا پاجامہ ترکر لیا تھا ۔ ان کے اشعار پر سر دھننے والی خواتین آن سے دور کھڑی نفرت سے ناکیں سکڑ رہی تھیں ۔ مرد نہایت خوش تھے ۔ شاعر صاحب مرد جاتی کے روحانی رقیبِ رو سیاہ تھے اور ان کی اس درگت سے ذرا ان کی قیمت گر جانے کی امید ہو رہی تھی ۔ بڑی مشکل سے دو نوکروں نے انہیں بہلا پھسلا کر اٹھایا تاکہ رکشا میں بھر کر مال واپس کر آئیں ۔ مگر وہ بہت بگڑ رہے تھے کہ ابھی تو ان کی باری نہیں آئی ، حسین ترین اشعار تو ابھی سنانے ہی نہیں ۔ مگر لوگ ان کی اس قدر فی البدیہہ شاعرانہ حرکت سے کافی سیر ہو چکے تھے ، اس لیے ان کی شنوائی نہ ہوئی ۔ بیرے انہیں زبردستی کھینچتے ہوئے لے گئے ۔ میزبان سے ہاتھ ملا کر رخصت ہونے کے ارمان میں موصوف تلملاتے ہی چلے گئے ۔

ایک صاحب نہ جانے کس بات کی بار بار سب سے معذرت چاہے جا رہے تھے ۔ ہر بار بار "کوئی بات نہیں"

کہنے کے بعد بھی وہ معافی مانگنے پر تلے ہوئے تھے ۔ ایک محترمہ بار بار اپنا پرس اور رومال نہ جانے کہاں رکھ کر بھولی جا رہی تھیں ۔ لوگ بڑی سنجیدہ پیشانی اور صبر سے بار بار سرک کر انہیں ٹٹوہ تلاش کرنے میں مدد دے رہے تھے ۔ ان کے تازہ ترین ایڈمائرر ایسے پریشان تھے گویا رومال نہیں کوہ نور ہیرا کھو گیا ہے ۔ انہیں ان لوگوں پر طیش آ رہا تھا جو رومال کی گمشدگی پر قطعی ہمدرد نہیں تھے ۔ سب کو اٹھ کر ننگا جھاڑا دینا پڑتا تب ان کا رومال ان کے بلاؤز یا آستین سے نکلتا ۔ تب بڑی شد و مد سے لوگ ان کی مدد کرتے اور وہ گدگدی سے بے تاب ہو کر صوفے پر لوٹ جاتیں ۔ کسی کا ان کی اس حرکت پر قطعی جی نہیں جل رہا تھا ۔

نیلوفر خالی پیٹ مستقل پینے میں مشغول تھی ۔ بوفے کی میز کی طرف دیکھتے ہی اسے ابکائی آنے لگتی ۔ نشے میں جب ایک بات کی دھن سوار ہو جائے تو پھر نہیں اترتی ۔ نہ جانے کیوں نیلوفر کو شبہہ ہو گیا تھا کہ گوشت ضرور کتے کا ہے ۔ سنا تھا کانپور میں ایک گروہ پکڑا گیا تھا جو چھوٹے چھوٹے بچوں کو پکڑ پکڑ کر ان کے کباب بنا کر بیچا کرتا تھا ۔ وہ بار بار آنکھیں چندھی کر کے گوشت کی چیزوں کو دیکھے جا رہی تھی ۔ ایک دفعہ تو اس نے

ایک سھی سی انگلی لھی شوربے میں تیرتی دیکھی ۔ لاکھ سب نے سمجھایا کہ دم کی هڈی ھے ، مگر وہ کسی طرح نہ مانی ۔ اور حب ھنستے ہوئی راحہ صاحب نے هڈی منہ میں ڈال کر کٹر کٹر حبا ڈالی ىو وہ ابکائی روکتی پلیٹ پھینک کر بھاگی ۔ ترکاری تک میں اسے انسانی آنکھیں اور دانت نظر آ رھے تھے ۔ راحہ صاحب اسے بار بار روک رھے تھے کہ زیادہ پینا مناسب نہیں ، مگر کرنل صاحب کی پالیسی کے مطابق اسے زیادہ سے زیادہ پلانے کی کوشش کی جا رھی تھی ۔

ایک دم نیلوفر کو محسوس هؤا وہ بالکل اکیلی دور کہیں ایک بحر چٹان پر کھڑی ھے ۔ چاروں طرف سناٹا گرج رھا ھے ۔ موت کی سی خاموشی رو رھی ھے ۔ اگر پیدا ہونے سے پہلے کسی نے اس سے پوچھ لیا ہوتا تو وہ جان بوجھ کر تو دنیا میں نہ آتی ۔ بے اختیار اسے زندگی کی بے بسی پر رونا آنے لگا اور وہ راحہ صاحب سے لپٹ کر پھوٹ پڑی ۔ وہ اسے بالکل ابا جی معلوم ہو رھے تھے اور وہ خود نیلوفر نہیں جیسے ان کی نوجوان بیوی تھی ، جس کی خاطر انہوں نے گھر بار ، بال بچے سب چھوڑ دیے تھے ۔ کاش کوئی اس سے بھی ایسی بے بسی سے پیار کرے ۔ اس کے لیے اپنا خاندان چھوڑ دے ۔ کسی مضبوط بانہوں والے رکھوالے کی آغوش میں چھپ جائے ، پھر یہ انجانے خوف اسے نہیں ستائیں گے ۔

آخر کسی کو اس کی پاکدامنی اور نسوانیت کی فکر کیوں نہیں ؟ کیا وہ عورت نہیں ؟ اس کا دل بھی تو لاکھوں پیاری پیاری تانوں کے لیے دھڑکتا ہے ۔ کاش وہ بھی کسی کو اتنی عزیز ہو جائے کہ وہ کرنل صاحب کو اس کے پیچھے کھڑے ہو کر باہیں چھوڑنے سے روکے ۔ اس نے راجہ صاحب کے گریبان میں جھول کر آنسو بہانے شروع کر دیے ۔ پروگرام کے مطابق آج وہ کرنل صاحب کی مہمان تھی ، اس لیے وہ اسے سنبھالنے لپکے ، مگر وہ ضدی بچے کی طرح راجہ صاحب سے چمٹ گئی ۔ راجہ صاحب اور کرنل صاحب میں بحث ہونے لگی ۔ نہ جانے کون جیتا ، کون ہارا ۔ کس نے اسے سنبھالا ۔

” انا جانی ۔ انا جانی ۔ مجھے لے لو ۔ انا جانی ۔“ وہ سسکیاں لیتی نیند جیسی مدہوشی میں ڈوب گئی ۔

اس رات اس نے پھر وہی نامراد خواب دیکھا ۔ وہ اکیلی چلی جا رہی ہے ۔ چلی جا رہی ہے ۔ اسی جانی پہچانی انجان سڑک پر ۔ وہ سڑک جو اژدہے کی طرح ہانپ رہی ہے ۔ جس کے جانبے پر مہیب دہانہ ہے ! اس کے گلے میں سسکیاں منجمد ہو چکی ہیں اور آنسو خشک ہیں ۔

ہمیشہ کی طرح چیخ مار کر وہ جاگ پڑی ۔ کمرے کی گھٹی ہوئی روشنی میں راجہ صاحب کا تحفہ ، چندن ہار ،

اس کے سینے پر جگمگا رہا تھا ۔ پھر اس نے آنکھیں جھکا کر دیکھا ۔ چندن ہار قہقہہ مار کر ہنس پڑا ۔ موتی جگر جگر مسکرانے لگے ۔ لال لال خون میں لتھڑے ہوئے مستریوں کے سر اور ننھے ننھے بچوں کی کھوپڑیاں اس کے ننگے سینے پر قہقہے مار کر ہنسنے لگیں ۔ وہ چیخ مار کر پلنگ سے نیچے گر پڑی اور چندن ہار کو دونوں ہاتھوں سے نوچنے لگی ۔ کرنل صاحب نے اسے بہت چمکارا ، کلیجے سے لگایا ، مگر اسے جیسے جاڑا بخار چڑھ رہا تھا ۔ اس کو گھن آ رہی تھی ، مگر ڈر کے مارے گھگی بندھی ہوئی تھی ۔ اس وقت کرنل صاحب کا وجود ہی غنیمت تھا ۔ وہ صبح تک آہ و زاری کرتی رہی ، کراہتی رہی ۔

دلہن کی ہتھیلیاں اور ندیں چہروں کی بڑی مستعدی سے فہرست بنا رہی تھیں ۔ خاص طور پر چندن ہار کی تعریفوں میں تو بیویوں کی زبانیں سوکھی جا رہی تھیں ۔ مگر نیلوفر ڈر کے مارے اب تک چندن ہار کی طرف نہیں دیکھ پا رہی تھی کہ کہیں کمبخت ٹھٹھا مار کر ہنس نہ پڑے ۔ کیا غریب بھاگ بھاگ کر مہمانوں کی خاطر مدارات کر رہی تھی ۔

رخصت کے وقت وہ بہن کو کلیجے سے لگا کر اس بری طرح بلک کر روئی کہ دشمنوں کی بھی آنکھیں بھیگ گئیں ۔

یرے پاس کھڑی ایک بیوی نے کان میں پھسپھسایا
" ربیدہ بیلوفر کی ناجائز بچی ہے ۔"
جی چاہا پوچھ لوں : " اور آپ ؟"
شادی کے ہنگامے میں بیلوفر نے شے کو ہاتھ بھی نہ لگایا ۔
ب سچے موتی جیسی پاک اور آبدار بہن بیاہ کر چلی گئی
و اس نے مہمانوں کے رخصت ہونے کا بھی انتظار نہ کیا ۔
پنے کمرے میں بند ہو کر اتنی شراب پی کہ دوسرے دن شام
ک بے سدھ پڑی رہی ۔ کبھی کبھی کمرے میں سے آہوں
ور سسکیوں کی آواز آتی اور پھر قبر کی سی سردی چھا جاتی ۔
" اچھی ہوں امی جان ۔ " وہ بیگم کے بے در بے
کھٹکھٹانے پر کہتی ۔ انہیں بڑی کوفت ہو رہی تھی ۔
وگ آ کر لوٹے جا رہے تھے اور نوابزادی کی میت کمرے
یں بند پڑی تھی !
بیگم نے تیسرے دن گھبرا کر صف ماتم بچھا دی ۔
روازہ کھلوا کر چھوڑا ۔ ہاتھ پیر جوڑ کر اسے ڈاکٹر کے
پاس چلنے پر راضی کیا ۔ ایک ہفتہ تک بیلوفر غائب رہی ۔
لوگوں نے کہا : " حمل گرانے ہسپتال گئی ہے ۔"
کچھ دنوں کے لیے نہ جانے وہ کہاں غائب ہو گئی ۔
پھر جو آئی تو دونوں دونوں ہاتھوں سے زندگی کو لٹانے
لگی ۔ اس کے قہقہے پہلے سے زیادہ کھنکدار ہو گئے ۔ چہرے

کی پھٹکار چھپانے کے لیے میک اپ کی مقدار اتنی بڑھا دی
کہ میں اپنی نالکی سے اس کی مصنوعی پلکیں گن سکتی۔
پھر لمبی لمبی کاریں اس کے فلیٹ کے سامنے رین بسیرا لینے لگیں۔
اب شراب کے علاوہ آسے اور سارے شوق کی لت پڑ گئی
ہے - پینا تو احمد بھائی سکھا گئے تھے - دھتورے کے
سگریٹ آس نے سورج مل جی سے سیکھے - کوکین کے
انجکشنوں کا تحفہ راجہ صاحب نے دیا - سکھیا ایک منچلے
پروڈیوسر نے چکھا دی - غرض ہر عاشق آسے کوئی نہ کوئی
سہارا دیتا ، تاکہ زندگی کی کڑواہٹ کچھ کم ہو جائے -

احسان صاحب اب بھی پرانے زخم کے کھرونچے کی طرح
موجود ہیں - وہ اس خاندان کی جان کو ایک مستقل عذابِ
الٰہی کی طرح لگ گئے ہیں - اب تو وہ اتنے قلاش ہو گئے
ہیں کہ ان کے جال میں کوئی گاؤدی سیٹھ تو کیا مکھی
بھی نہیں پھنستی - وطن میں ان کی بیوی اور بچے فاقے کر رہے
ہیں، اس لیے اب وہاں بھی نہیں جاتے - اب انہیں یہ بھی پتہ
چل گیا ہے کہ اتنی بڑی دنیا ہے ، اگر وہ ایک وقت کا کھانا
ایک شخص کے ہاں کھا لیں تو کوئی کنگال نہیں ہو جائے
گا ، اس لیے وہ بھرے پرے دسترخوانوں کی تاک میں رہتے
ہیں - اب بھی کوئی آلو پھنس جائے تو اپنے منصوبوں کا
گٹھر ڈھول کر بیٹھ جاتے ہیں :

" واحد رکمار کے پاس تو ڈیٹس نہیں۔ دلیپ اکتوبر سے پہلے ایک دن بھی نہیں دے سکتا۔ اس کے بعد تو کہتا ہے کہ احسان صاحب جتنے دن چاہیں اکا تار شوٹنگ کر لیجیے گا۔ تین لاکھ پیشگی کا تو انتظام ہو گیا ہے۔ بس نوشاد صاحب مہابلیسور سے لوٹیں تو گانے ریکارڈ کرا لوں گا۔"

مگر اب تو لوگوں نے چڑنا بھی چھوڑ دیا ہے۔ ان کی باتوں پر نہ ہنسی آتی ہے نہ رونا۔ نیلوفر کے گھر میں دو بس اب وہ اوپر کے کام کے رہ گئے ہیں۔ شراب کباب کا انتظام کرنا، سوڈے کی بوتلوں اور برف کی دیکھ بھال، فونوں کی فیس یاد کر کے وقت سے بھجوانا، بیبک کی دوڑ دھوپ کرنا، لانڈری سے کپڑے لانا، لے جانا اور بیگم کے ساتھ سینما وغیرہ جانا۔

ربیدہ کی شادی پر نیلوفر نے سب کا کہا سنا معاف کر دیا۔ سورج مل جی کے ہاتھ پیر جوڑ کر منا لائی۔ روشنی کا سارا انتظام ان ہی کے سپرد تھا۔ احمد بھائی کے ہاں خود شادی کا رقعہ لے کر گئی۔

" بھائی ضرور آئیے گا۔" اس نے ان کی بیوی سے اصرار کیا۔

راحمہ صاحب کبھی بمبئی آئیں تو اس سے ملے بغیر نہیں جاتے۔ لوگ کہتے ہیں اس کے پاس جادو کی بوٹی ہے یا الہ دین کا چراغ، کوئی اس کے در سے نامراد نہیں جاتا۔ وہ خود نہیں تو اپنی کسی سہیلی کو فراہم کر دیتی ہے۔

حلیمہ کے پاس نہ علم ہے نہ حسن ۔ دولہاؤں کا بھاؤ دن بدن بڑھتا جا رہا ہے ۔ جوڑا گھوڑا اور ولایت جانے کا خرچہ لے کر بھی نا کے بھوں چڑھاتے ہیں ۔ حلیمہ کے کنوار پنے کا سارا الزام نیلوفر کی جان پر ہے ۔ اگر وہ بدکار نہ ہوتی تو کوئی شریف زادہ مفت اسے بیاہ کر لے جاتا ۔

سلیم کو لوگ رنڈی کا بھائی کہہ کر چڑاتے ہیں تو وہ خاموش ، سر جھکا کر آنسو بہاتا ہے ؛ تب نیلوفر کا کلیجہ کٹنے لگتا ہے اور وہ اسے موٹر سائیکل دلا کر بہلا دیتی ہے ۔ رشیدہ کا میاں اسے بہن کی بدکاریوں کے طعنے دیتا ہے اور وہ آٹھ آٹھ آنسو روتی ہے ، تب نیلوفر سچے موتیوں کی لڑیوں سے اس کے آنسو پونچھتی ہے ۔ ابھی پچھلی عید پر اس نے روٹھے ہوئے بہنوئی کو منانے کے لیے اسے نئی موٹر لے کر دی ، تب کہیں جا کر وہ سلام کرنے دو گھڑی کے لیے آیا ۔

یہ اے روڈ ہے ! شریفوں کا محلہ ۔ یہاں سادھو سنت رہتے ہیں ، جنہوں نے اپنے تپ کے زور سے سٹہ بازار سے لے کر عقبیٰ تک جیت لیا ہے ۔ کچھ دین و دنیا کے ٹھیکدار چور بازار کی دولت سے اونچی عمارتوں کو اور اونچا کر رہے ہیں ۔ رشوت اور غبن کے بل پر شاندار ریسٹوران کھول رہے ہیں ۔ انہیں نیلوفر کے چال چلن پر سخت اعتراض ہے ۔ اور اگر دوستوں کا معاملہ نہ ہوتا تو وہ کب کے اسے شریفوں کی بستی

سے نکالنے کی یوجنائیں بنا ڈالتے — کیونکہ نیلوفر بدکار ہے !

لیکن سورج مل جی تو دیش سیوک ہیں۔ آئے دن سمبھاؤں اور ودھوا آشرموں کا اودگھاٹن کرتے رہتے ہیں، جہاں ان کے گلے میں لمبے لمبے ہار پڑتے ہیں اور ہاتھوں میں گلدستے دیے جاتے ہیں — کیونکہ وہ بدکار نہیں !

احمد بھائی قومی اداروں میں اسٹیج اور سراف پر لیکچر جھاڑتے ہیں۔ لڑکیوں کے اسکول میں انعامات تقسیم کرتے وقت وہ بڑے چاؤ سے پیاری پیاری بچیوں کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہیں۔ شاید یہ معلوم کرنے کے لیے کہ ان میں سے کون اس قابل ہیں جنہیں نیلوفر بنایا جائے — اس لیے وہ بدکار نہیں !

راجہ صاحب ملک کو انڈسٹریلائیز کر رہے ہیں۔ اب ان کا کارخانہ بڑے زور شور سے ترقی کر رہا ہے۔ وہ چناؤ میں کھڑے ہو رہے ہیں۔ اسمبلی میں بیٹھ کر جنتا کی بھلائی کے لیے بڑے بڑے کام کریں گے۔ تمام دیواروں پر لگے ہوئے ان کے نام کے پوسٹروں میں ان کی قومی خدمات کی لمبی چوڑی فہرست موجود ہے، مگر کہیں ان گمنام مستریوں کا ذکر نہیں جو لاپتہ ہو گئے، جن کے بال بچے سڑکوں پر رل گئے۔ اور نہ نیلوفر کے چندن ہار کا کہیں حوالہ دیا ہے — کیونکہ راجہ صاحب بدکار نہیں ! اور وہ دنیا، جو معصومہ کو نیلوفر بناتی ہے، بدکار نہیں ! صرف

معصومہ 12857
19.6.92

نیلوفر بدکار ہے! وہ نیلوفر جو اپنے خاندان کی پالی ہار ہے۔ آن جون کی ناجائز ماں ہے۔ آن کی ان داتا ہے — وہ بدکار ہے!

معصومہ — نیلوفر! نیلوفر — معصومہ!

جیسے چکی کے ان دو پاٹوں کے بیچ پسنے والی شئے انسان نہیں گھن کھایا ہؤا گیہوں کا ایک حقیر دانہ ہے جس نے احمد بھائی کو جھیل لیا، راجہ صاحب اور سورج مل کو سہہ لیا، زندہ موت سے سمجھوتہ کر لیا، سکھیہ اور دھورے سے سمجھوتہ کر لیا، اپنے سارے کنبے کی زندگیوں کا زہر متھ کر غٹا غٹ پی لیا۔

کبھی شام کو جب اس کے فلیٹ میں دھواں جو کڑی بجی ہوتی ہے تو وہ بالکنی میں آ کر چپ چاپ کھڑی ہو جاتی ہے اور اپنی خالی خالی آنکھوں سے ڈوبتے ہوئے سورج کی سرخی کے اُس پار — دور کہیں جوانوں کے دیس میں — اپنی اس کنواری دنیا کو ڈھونڈ رہی ہوتی ہے جو لٹ گئی۔ وہ مہندی جو سوکھ کر ریت میں بکھر گئی۔ وہ شہنائیاں جن کے سُر پھٹ گئے اور شہانہ جوڑا جو کفن بن گیا!

میری سولہ برس کی جیتی جاگتی بیٹی
نوعمر سہیلیوں کے ساتھ رسی کود رہی ہے
اے کاش میں واپس اسے اپنی کوکھ میں چھپا سکتی!

دوھرکرہ